ماہنامہ اعلیٰ حضرت

بریلی شریف

محرم الحرام | ۱۴۴۵ھ

اگست | ۲۰۲۳ء

Monthly : 35/-
Yearly : 350/-

مدیر اعلیٰ

(مولانا) محمد سبحان رضا خان "سبحانی میاں"

پیغام

حامدا ومصلیا و مسلما!

تقسیم ہنداور آزادی ہند کے بعد ہی سے ہندوستانی مسلمانوں کے مذہبی، مسلکی، معاشی، سماجی اور تعلیمی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے ہیں۔ مگر کل کے مقابلہ میں آج کے حالات تو مسلمانوں کے لیے نہایت سنگین رخ اختیار کر چکے ہیں۔ پہلے اگرچہ مسلمان تعلیمی سماجی، سیاسی اور معاشی طور پر تقریباً یتیم تھے مگر یہ سب دنیوی معاملات تھے، دینی ومسلکی معاملات پھر بھی کافی حد تک صحیح ودرست تھے اور مسلمانوں کا ایمان محفوظ تھا۔ مگر اب تو دنیوی معاملات میں یہ قوم مسلم تمام تر ترقیاتی ساز وسامان سے تو محروم ہے ہی، دینی ومسلکی اعتبار سے بھی محروم ہونے لگی ہے۔ بے دینی، مذہب بیزاری اور مسلک سے دوری ہماری نئی نسلوں میں روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ غیر شرعی رسوم، عادات، پوشاک اور رہن سہن کی ہماری نئی نسل دلدادہ ہوتی جا رہی ہے۔ ہاتھوں میں کڑا پہننا، لمبے لمبے بال رکھنا، غیر مسلموں کی طرح ہاتھوں میں دھاگا باندھنا، ٹیکہ لگانا، کانوں میں بالیاں پہننا، اپنے جسم کے حصوں پر ٹیٹو بنوانا اور مشرکانہ رسوم وتیوہاروں کی مبارکبادیاں دینا بلکہ ان میں شامل ہونا، ہمارے معاشرے کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔ ہماری بچیاں روز بروز غیر مسلم نوجوانوں کے چنگل میں پھنس کر مرتد بن رہی ہیں۔ ہماری نوجوان نسل اپنے مذہب ومسلک اور اپنی شریعت وطریقت کی باغی بنتی جا رہی ہے۔ دینی اعتبار سے دیکھیں تو اس وقت کے حالات نہایت سنگین صورت اختیار کر چکے ہیں۔ پہلے اس طریقے کے واقعات اگر ہوتے بھی تھے تو ہماری جماعت کا ایک مخلص اور مذہبی طبقہ اس کی روک تھام کے لیے مضبوط لائحہ عمل تیار کر کے جدوجہد شروع کر دیتا تھا مگر آج کا عالم اس اعتبار سے بھی نہایت سنگین ہے کہ بڑے سے بڑا معاملہ کیوں نہ ہو جائے اور بڑے سے بڑا دینی نقصان کیوں نہ ہو جائے مگر ہمارا مذہبی طبقہ، ہمارا سماجی طبقہ اور ہماری مذہبی وسماجی قیادت۔ الا ماشاء اللہ۔ سرد مہری کی چادر تانے رہتی ہے۔ روز بروز ارتداد کے فتنہ میں تیزی آتی جا رہی ہے۔ مگر کسی بھی مذہبی، خانقاہی اور سماجی طبقہ کی جانب سے کوئی بھی روک تھام کی کوشش ہوتی نظر نہیں آ رہی ہے۔ وہ مرکز اہل سنت بریلی شریف ہی تھا کہ جب ماضی میں اعلیٰ حضرت کے آخری دور میں مسلمانوں کو مرتد کرنے کی ”شدھی تحریک“ چلی تو اس کا مقابلہ کرنے کی کامیاب ترین کوشش تمام مشائخ اہل سنت نے مرکز اہل سنت کے ہی پلیٹ فارم سے کی تھی اور مفتی اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی روک تھام میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ مگر آج ہر طرف ایک گہرا سناٹا نظر آتا ہے۔ اگر کوئی مخلص اس سناٹے کو توڑنے کے لیے آواز بھی بلند کرتا ہے تو اس کی آواز آج ”نقار خانہ میں طوطی کی آواز“ کا مایوس کن اور حوصلہ شکن منظر پیش کرتی دکھائی پڑتی ہے۔ اللہ ہمارے حال زار پر رحم فرمائے۔

اب ۲۰۲۴ء کے پارلیمانی انتخابات نے اپنی دستک دینا شروع کر دی ہے۔ سیاسی جماعتیں اب ایک بار پھر مسلمانوں کی حمایت ومخالفت کے نام پر ایک شاطرانہ جال بنیں گی۔ کہیں مسلمانوں کی حمایت میں تو کہیں قوم مسلم کی مخالفت میں ماحول خراب کرنے، فساد کرانے، آگ زنی کرانے، اشتعال انگیز بیانات جاری کرنے اور کرانے کا ماحول بنایا جائے گا۔ انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو ”بلی کا بکرا“ بنانے کی مکروہ اور شاطرانہ چالیں چلی جائیں گی۔ مسلمانوں کو ابھی سے آنے والے مرکزی انتخاب کے لیے تیار رہنا ہوگا، اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کے لیے ہوشیار وخبردار رہنا ہوگا۔ سیاسی جماعتوں کا آلۂ کار بننے سے اپنے آپ کو روکنا ہوگا۔ اپنے ووٹ کا نہایت دانشمندی اور حکمت کے ساتھ مفید وکارآمد انداز میں استعمال کرنا ہوگا۔ اللہ رب العزت اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں اور فرقہ پرست طاقتوں کے شر سے ہم سب کو محفوظ فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔

فقیر قادری محمد سبحان رضا خاں سبحانی غفرلہ

خادم مرکز اہل سنت خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United Printers Bareilly

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: امام اہلسنت، مجدد دین وملت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ العزیز

ماہنامہ

اعلیٰ حضرت

بریلی شریف

بفیض روحانی
حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ
محمد حامد رضا قادری
علیہ الرحمہ

سرپرست روحانی
احسن العلماء حضرت علامہ
سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں
علیہ الرحمہ
مارہرہ شریف

بفیض کرم
مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ
محمد مصطفیٰ رضا قادری نوری
علیہ الرحمہ

بانی رسالہ
مفسر اعظم حضرت علامہ
محمد ابراہیم رضا قادری
''جیلانی میاں'' علیہ الرحمہ

زیر سایہ کرم
ریحان ملت حضرت علامہ شاہ
محمد ریحان رضا نوری قادری
علیہ الرحمہ

محرم الحرام	۱۴۴۴ھ	August
اگست	۲۰۲۳ء	2023

جلد نمبر ۶۳ رشمارہ نمبر ۸

کلام الامام - امام الکلام

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیئے ہیں

جب آ گئی ہیں جوشِ رحمت پہ اُنکی آنکھیں
جلتے بجھا دیئے ہیں روتے ہنسا دیئے ہیں

اِک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دیئے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُربے بہا دیئے ہیں

مُلکِ سُخن کی شاہی تم کا رضا مُسلّم
جس سمت آ گئے ہو سِکّے بٹھا دیئے ہیں

نوٹ: تمام مشمولات کی صحت و درستگی پر مجلس ادارت کی گہری نظر رہتی ہے پھر بھی اگر کوئی شرعی غلطی راہ پا جائے تو آگاہ فرما کر اجر کے مستحق بنیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی قریبی شمارے میں تصحیح کردی جائیگی۔

مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، شہزادۂ ریحان ملت، حضرت مولانا الحاج الشاہ
محمد سبحان رضا قادری ''سبحانی میاں'' مدظلہ العالی
سربراہ اعلیٰ خانقاہ رضویہ بریلی شریف

نائب مدیر اعلیٰ

نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج
محمد احسن رضا قادری مدظلہ العالی
سجادہ نشین خانقاہ رضویہ بریلی شریف

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد مسعود خوشتر صاحب ماریشس
حضرت مولانا ازہر القادری صاحب لندن
حضرت مولانا صفی احمد صاحب رضوی انگلینڈ
حضرت مولانا محمد فروغ القادری صاحب انگلینڈ
حضرت مولانا محمد محسن صاحب انگلینڈ
حضرت مولانا عبد الجبار صاحب رحمانی پاکستان
حضرت مولانا قاری غلام محی الدین صاحب انگلینڈ
عالی جناب محترم طارق بھٹی صاحب موریشس
عالی جناب الحاج نوشاد علی جواتا، ماریشس
عالی جناب الحاج فضل بھائی، جیولم موریشس

مجلس ادارت

مدیر	حضرت علامہ قاری عبدالرحمٰن خان قادری بریلوی
مدیر اعزازی	حضرت مفتی محمد سلیم بریلوی
مدیر معاون	حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی کٹیہاری
مرتب	حضرت مفتی محمد انور علی رضوی بہرائچی
تزئین کار	جناب ماسٹر محمد زبیر رضا خاں بریلوی
کمپوزنگ	جناب مرزا توحید بیگ رضوی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

ماہنامہ اعلیٰ حضرت
۸۴ر سوداگران بریلی شریف

Monthly Alahazrat
84, Saudagran, Bareilly Sharif
Pin-243003
Contact No.
(+91)-0581- 2575683,
2555624 (Fax) 2574627
(Mob) (+91)-9359103539
E-mail:mahanamaalahazrat@gmail.com
E-mail:subhanimian@yahoo.co.in

ماہنامہ اعلیٰ حضرت انٹرنیٹ پر پڑھنے کے لئے
visit us: www.aalahazrat.in

چیک یا ڈرافٹ بنام
MAHNAMA ALA HAZRAT
A/c No.
0043002100043696
Punjab National Bank Civil Lines Bareilly

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر اور ایڈیٹر "مولانا سبحان رضا خاں" نے رضا برقی پریس بریلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اعلیٰ حضرت سوداگران بریلی شریف سے شائع کیا۔

زر سالانہ ممبرشپ

فی شمارہ:	35/-
زر سالانہ:	350/-
بیرون ملک:	$35 / امریکی ڈالر

کسی بھی قسم کی قانونی چارہ جوئی بریلی کورٹ ہی میں قابل سماعت ہوگی (ادارہ)

نوٹ: ادارہ کا مراسلہ نگار کی تحریر یا مضمون سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

گوشہ ادارت

۱۔کلام الامام امام الکلام	حسان الہند امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ	۳
۲۔پیغام	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۲
۳۔کہیں اب مسلمانانِ ہند کی نسل کشی کی تیاری تو نہیں	اداریہ از قلم مدیر اعزازی محمد سلیم بریلوی	۵

مستقل کالم

۱۔باب التفسیر	مولانا ابرار الحق رحمانی	۱۰
۲۔باب الحدیث	حضرت علامہ الحاج محمد سبحان رضا خاں سبحانی میاں	۱۱
۳۔فتاویٰ منظر اسلام	حضرت علامہ مفتی محمد احسن رضا قادری	۱۲

خوان مضامین

۱۔خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ سید سلیمان اشرف کی ادبی قدر و منزلت	مولانا طفیل احمد مصباحی	۱۳
۲۔مسلم دشمنی میں سلگتا اتر کاشی	مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی	۲۲
۳۔اسلامی سال نو کا آغاز اور ہمارا رویہ	حافظ افتخار احمد	۲۵
۴۔بھارتی سیاست میں تبدیلی کے آثار	مولانا طارق انور مصباحی	۲۹
۵۔بھارتی مسلمانوں کا ۷۵ر سالہ دردناک سفر (قسط اول)	مولانا زاہد علی مرکزی	۳۲
۶۔عوام الناس میں پھیلی غلط فہمیوں کا ازالہ	مولانا عبد اللطیف علیمی	۴۱
۷۔رئیس التحریر کی رضویاتی کتب کا تعارف	مولانا عطاء النبی نیپالی	۴۵
۸۔حجۃ الاسلام کا مناظرۂ لاہور	مفتی ذو الفقار خاں نعیمی	۵۵
۹۔نباضِ قوم کی ناقابل فراموش یادیں	مولانا جاوید اقبال قادری	۶۰

نعت و منقبت

۱۔نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	مولانا طفیل احمد مصباحی	۲۱
۲۔شان صدیق اکبر	مولانا سلمان فریدی	۴۰

کہیں اب مسلمانان ہند کی نسل کشی کی تیاری تو نہیں؟

اداریہ:- مفتی محمد سلیم بریلوی، مدیر اعزازی ماہنامہ اعلیٰ حضرت، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

مسلمانان ہند کے خلاف نفرت کا ماحول: تقسیم ہند کے بعد سے ہی جو مسلمان وطن عزیز سرزمین ہند پر رہ گئے تھے ان کے خلاف ملک کا ایک متعصب اور مسلمانوں سے دلی دشمنی رکھنے والا فرقہ پرست طبقہ لگاتار دوسرے ہندوستانی شہریوں کے دل و دماغ میں نفرت کا زہر گھولنے کا کام کرتا آرہا ہے۔ اِدھر ۸۰ رکی دہائی سے مسلمانان ہند کے خلاف ملک کے اکثریتی طبقہ کے دلوں میں نفرت و عداوت پیدا کرنے کے منصوبہ پر بہت تیزی سے کام ہونے لگا ہے۔ اس سلسلہ میں ملک کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف کرنے میں بابری مسجد کے قضیہ نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ بابری مسجد اور کشمیری پنڈتوں کے نام پر ملک کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اس طرح مشتعل کر دیا گیا کہ اب ہندوستان کے بہت سے خطوں میں ہندو مسلمانوں کے وجود کو برداشت نہیں کر پاتے۔ آئے دن ان خطوں میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف یہ نفرت پھیلانے والا متعصب طبقہ اشتعال انگیز کارروائیاں کرتا رہتا ہے۔ کبھی یہ طبقہ انتہائی شاطرانہ انداز میں کسی مندر میں گائے یا خنزیر کا گوشت رکھ کر وہاں کے ماحول کو مسلم مخالف بنا دیتا ہے تو کبھی کسی مندر کی مورتیاں منصوبہ بندی کے ساتھ تڑوا کر اس کا الزام مسلمانوں پر رکھ کر وہاں کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف کر دیتا ہے۔ کبھی گائے کشی کے نام پر تو کبھی کسی ہندو لڑکی کے کسی مسلمان لڑکے کے ساتھ بھاگ کر شادی کر لینے کے نام پر یہ سارا کھیل کھیلا جاتا ہے۔

ابھی چند دنوں پہلے کی بات ہے کہ اترا کھنڈ کے ضلع اتر کاشی کے ایک شہر ''پرولہ'' میں ایک ہندو لڑکا ایک ہندو لڑکی کو گھر سے بھگا کر لے گیا۔ لڑکی بھی ہندو اور لڑکا بھی ہندو۔ مگر اس ہندو لڑکے کی مدد اس کے ایک مسلمان دوست نے کر دی اور اس بھگا لے جانے والے معاملہ میں اس مسلمان لڑکے کا نام بھی آ گیا جس کو بنیاد بنا کر اس خطے کی متعصب اور فرقہ پرست ہندو تنظیمیں ایک دم متحرک ہو گئیں اور انہوں نے پورے خطے کا ایسا ماحول بنا دیا کہ پولیس کی موجودگی میں وہاں کے لوگ مسلمانوں کی دوکانوں اور مکانوں کو نذر آتش کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے اور ایک مشتعل ہجوم مسلمانوں کی املاک پر حملہ آور ہو گیا۔ معاملہ یہیں تک نہیں تھا بلکہ انہوں نے ہندوؤں کی مہا پنچایت بلا کر مسلمانوں کو ۱۵ رجون تک پورے خطے سے چلے جانے کا الٹی میٹم بھی دے دیا۔ مسلمان حیران و پریشان اور خوفزدہ انداز میں رات و رات خطہ چھوڑ کر محفوظ مقامات پر جانے لگے۔ یہاں کسی نے بھی اس ہندو لڑکی کو بھگا لے جانے والے ہندو لڑکے اور اس کے گھر والوں سے نہ کوئی تعرض کیا اور نہ ہی اس پورے معاملہ میں اس کا کوئی تذکرہ سامنے آیا۔

یہ تو بس ایک چھوٹی سی مثال ہے ورنہ ملک کے طول و عرض میں آئے دن بہت سے خطوں میں مسلمانوں کے خلاف اس طرح کی اشتعال انگیز اور نفرت بھری کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں۔

نفرت انگیز ماحول سازی کے اسباب: کبھی کبھی ذہن

میں یہ بات بھی آتی ہے کہ وطن عزیز سرزمین ہند کا ایک دور وہ بھی تھا کہ جب یہاں مسلمانوں کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ بڑے بڑے عہدوں پر مسلمان فائز تھے اور سارا غلبہ مسلمانوں کا تھا لیکن اس کے باوجود کبھی بھی مسلمانوں نے اپنی طاقت وقوت اور اپنے جاہ ومنصب اور اپنے اقتدار وحکومت کے نشے میں یہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ کوئی ناروا اور ظالمانہ سلوک نہیں کیا۔ کبھی بھی یہاں کے برسر اقتدار مسلمانوں نے محکوم قوم کے ساتھ امتیازی سلوک یا نفرت بھرا برتاؤ نہیں کیا۔ جب مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ انگریزی حکومت کے ذریعہ سے ہوگیا تب بھی اس سرزمین پر مسلمانوں کے ساتھ دیگر مذاہب کے لوگ پیار ومحبت اور حسنِ اخلاق کے ساتھ رہتے رہے جس کی وجہ سے یہ تمام ہندو مسلمان ایک ساتھ مل کر انگریزوں سے مقابلہ کرتے اور یہی ہندوستانی وہ اتحاد تھا کہ جس نے انگریزوں کو وطن عزیز چھوڑ کر انگلینڈ جانے پر مجبور کردیا۔ اب ذہن اس بات کو لے کر پریشان رہتا ہے کہ آخر اچانک یہ سب کیسے ہوگیا کہ ایک ہی ملک کے باشندے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں اور اپنے علاقوں میں ایک دوسرے کے وجود کو برداشت نہیں کر پاتے۔ بہت غور کرنے کے بعد جب ہم نے تاریخی حقائق کا تجزیہ کیا تو کچھ اسباب ومحرکات ایسے سامنے آئے کہ جنہیں دیکھ کر لگتا ہے کہ ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین نفرت کی خلیج پیدا کرنے میں درج ذیل اسباب کا بہت اہم رول ہے:

☆ انگریز جب ہندوستانیوں کی تحریک آزادی کے سامنے زیر ہو کر ہندوستان چھوڑ کر جانے پر آمادہ ہوگئے تب ملک میں ایک ایسے طبقے نے سر اٹھایا جو مسلمان بادشاہوں کے دور حکومت سے ہی اپنے دل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت چھپائے ہوا تھا۔ اس طبقہ کو یہ خدشہ تھا کہ اگر ہندوستان سے انگریز اپنی حکومت ختم کر کے چلے گئے تو کہیں دوبارہ مسلمان اقتدار پر قابض نہ ہو جائیں۔ یہ وہ طبقہ تھا کہ جس نے ہمیشہ انگریزوں کی حمایت کی تھی اور کبھی بھی تحریک آزادی کا یہ طبقہ حصہ نہیں تھا۔ اس طبقہ کو انگریزی حکومت کے اس اصول کا بھی پتہ تھا کہ انہوں نے جہاں جہاں، جس جس ملک میں بھی حکومت کی ہے اور پھر اس کو آزاد کیا ہے تو وہاں کی حکومت ان ہی لوگوں کے سپرد کی ہے کہ جن سے انہوں نے حکومت چھینی تھی۔ اس اصول کے اعتبار سے قرین قیاس یہی تھا کہ انگریز سرزمین ہند کی زمام اقتدار مسلمانان ہند کو ہی سونپ دیں گے۔ اس لئے ایک طرف سرزمین ہند کے مخلص و وفادار ہندو مسلم شہری انگریزوں سے وطن عزیز کو آزاد کرانے کے لئے برسرپیکار اور مصروف عمل تھے تو وہیں دوسری طرف یہ فتنہ انگیز اور متعصب طبقہ ملک کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین نفرت کی خلیج کشادہ کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس نفرتی ٹولے نے اس وقت کچھ ایسی شاطرانہ چالیں چلیں کہ جس کی وجہ سے ملک میں انگریزوں ہی کے دور میں کئی جگہ خونریز تصادم ہوگئے۔ آہستہ آہستہ وہ اپنی نفرت انگیز شاطرانہ سازش میں کچھ حد تک کامیاب بھی ہوتے گئے حتی کہ آزادی سے محض ایک دو دہائی پہلے ہی ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایسے دو طبقے وجود میں آگئے جو ایک ساتھ اس ملک میں رہنے کو تیار نہیں تھے۔ اس نفرت انگیز تحریک کا انجام تقسیم ہند پر ہوا۔ ملک کو تقسیم کرانے میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ نفرت کے دلدادہ، متعصب اور مفاد پرست ان دونوں ٹولوں کا ہی کردار تھا۔

بہر حال ملک جب تقسیم ہوگیا تو مسلمانوں سے دشمنی رکھنے والے اس طبقہ کو ایک سنہرا موقع ہاتھ آگیا اور تقسیم ہند کا اس نے پورا ٹھیکرا مسلمانوں کے سروں پر پھوڑ ڈالا۔ مسلمانوں کو تقسیم ہند کا

مجرم قرار دیتے ہوئے انہوں نے یہاں تقسیم ہند کے بعد رہ جانے والے مسلمانوں کے خلاف ایک نفرت انگیز مہم چھیڑ دی اور یہاں کے دوسرے مذہب سے وابستہ افراد کی نسل نو کے ذہن ودماغ میں یہ بات انتہائی پختگی کے ساتھ پیوست کر دی کہ وطن عزیز کے ٹکڑے کرانے میں ان مسلمانون کا ہاتھ ہے۔ چنانچہ یہ نسل یہی زہر لے کر پروان چڑھتی رہی اور آج اسی نسل سے متعلق افراد ہندوستان کے اہم شہری ہیں اور ہندوستان کے ہر سسٹم پر قابض ہیں۔اس لئے ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا پایا جانا ایک فطری امر ہے۔

☆ ملک جب تقسیم ہوا تو انگریزوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ تھلگ رکھنے، آپس میں ہمیشہ دست وگریباں رہنے اور پاک وہند کے مابین دشمنی پروان چڑھانے کے لئے اس طرح سے تقسیم کی کاروائی کی کہ جس کی وجہ سے کچھ خطے ہمیشہ ہمیش کے لئے دونوں ملکوں کے درمیان نزاعی بن کر رہ گئے۔ چنانچہ کشمیر اور حیدرآباد اسی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں۔اسی غیر منصفانہ اور شاطرانہ تقسیم کی پاداش میں دونوں ملک دو بڑی جنگوں کا سامنا کر چکے ہیں۔ آدھا کشمیر پاکستان کا حصہ بن گیا اور آدھا ہندوستان کا۔اِدھر ریاست حیدرآباد ہندوستان میں ضم ہوگئی۔اس سلسلہ میں جو کچھ بھی تصادم ہوئے اس کا ذمہ دار بھی اسی متعصب اور مسلم مخالف طبقہ نے مسلمانوں کو قرار دینے کی خوب تشہیر کی۔اُدھر وادی کشمیر میں کشمیری پنڈتوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی بھی اس طبقہ نے خوب تشہیر کی اور ہندوستان کے غیر مسلم شہریوں کو یہ باور کرانے میں کامیابی حاصل کر لی کہ یہاں کے مسلمان وطن پرست نہیں ہے اور نہ ہی یہ ہندوؤں کو برداشت کرنا چاہتے ہیں۔جس خطے میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہاں یہ ہندوؤں اور دوسرے مذہب کے ماننے والوں کا رہنا دشوار کر دیں گے۔کشمیری پنڈتوں کے ساتھ ہونے والے واقعات کو انہوں نے نمک مرچ لگا کر اتنا اچھالا اتنا اچھالا کہ ہندوستان کے دوسرے مذاہب سے وابستہ افراد خاص کر ہندوؤں کے دلوں میں مسلمانان ہند کے خلاف بے انتہا نفرت پیدا ہوگئی۔

☆ اِدھر چند دہائیوں سے ملک کے گودی اور زعفرانی میڈیا نے مسلم بادشاہوں سے متعلق من گڑھت قصے، ہندوؤں پر ظلم کی کہانیاں اور تقسیم ہند اور کشمیر سے متعلق جھوٹے اور گڑھے ہوئے واقعات کو اس طرح پیش کرنا شروع کر دیا کہ رات و دن ٹی وی کی اسکرین پر آنکھیں جمائے رکھنے والے ملک کے شہری خاص طور پر ہندوؤں کے نئی نسل کے افراد انہیں سچا سمجھ کر مسلمانوں کو ظالم و جابر اور ہندوؤں کا کھلا دشمن سمجھنے لگے۔

☆ یہودیوں اور انگریزوں کی سازشوں کی بنیاد پر عالمی سطح پر کچھ ایسی دہشت گرد تنظیمیں وجود میں آئیں کہ جن کی دہشت گردانہ کاروائیوں کی بنیاد پر متعصب میڈیا نے ملک کے شہریوں کے ذہن ودماغ میں اسلام اور مسلمانوں کی تصویر ایک خونریز اور خونخوار مذہب اور قوم کی حیثیت سے جاں گزیں کر دی۔جس کی بنیاد پر یہاں کے شہری مسلمانوں سے نفرت و دشمنی رکھنے کے ساتھ انہیں اور ان کے وجود کو اپنے لئے خطرناک تصور کرنے لگے۔

☆ نفرت پھیلانے والا ہندوؤں کا یہ متعصب طبقہ جسے کبھی جن سنگھ تو کبھی آر ایس ایس کے نام سے جانا جاتا رہا ہے، وہ جب سے متحرک وفعال ہوا ہے تب سے ہی اس کی فکر سے متاثر بے شمار افراد ایسے ہیں جو پورے ملکی سسٹم پر اس وقت قابض ہیں۔نفرت وتعصب میں چور جن سنگھ اور آر ایس ایس کی فکر رکھنے والا یہ طبقہ اقتدار میں بھی ہے اور ملک کے پالیسی ساز اداروں میں بھی، کورٹ کچہری میں بھی ہے اور

پولیس انتظامیہ میں بھی، اسپتالوں میں بھی ہے اور میڈیا ہاؤس میں بھی، فلمی دنیا میں بھی ہے اور سماجی تنظیموں میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کوئی بھی ایسا ادارہ نہیں جہاں مسلمانوں کے ساتھ امیازی سلوک پر مشتمل کوئی نہ کوئی اقدام نہ ہوتا ہو۔ جب سے اس نفرت انگیز متعصب ٹولے کا غلبہ ہوا ہے تب سے فلمی دنیا میں بھی حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ فلم دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ پہلے کی فلمیں ہندو مسلم اور ہندوستانی شہریوں کے مابین پیار و محبت پیدا کرنے کی کہانیوں پر مشتمل ہوتی تھیں۔ مگر آج یہ فلمیں نفرت پھیلانے کا کام بڑے پیمانے پر کر رہی ہیں۔ یہ طبقہ اچھی طرح یہ بات جانتا ہے کہ فلم میں اور فلمی اسکرین پر بچے اور نوجوان جو کچھ دیکھتے ہیں اس کا ان کے ذہنوں پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے اس طبقہ نے مسلمانوں کے خلاف نفرت کی ماحول سازی کے لئے فلم کو ایک اہم ہتھیار بناتے ہوئے۔ ۹۰ر کی دہائی کے بعد سے ہی کچھ ایسی فلمیں بنانا شروع کر دی ہیں کہ جن میں مسلمانوں کو ملک کا غدار، ملک میں دہشت گردانہ اقدامات کرنے والا، ہندوؤں کی نسل کشی کرنے والا اور پاکستان کا حمایتی باور کرانے کی خوب سے خوب تر کوشش کی گئی ہے۔ مسلمان دہشت گردوں پر کبھی فلم بنائی جا رہی ہے تو کبھی کشمیری پنڈتوں کا قتل عام دکھانے والی فلم سامنے لائی جا رہی ہے۔ کبھی ہندوؤں کو جبراً مسلمان بنانے والی فلمیں منظر عام پر لائی جا رہی ہیں تو کبھی ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوششوں کو اجاگر کرنے والی فلمیں تیار کر کے بڑے پیمانے پر دکھائی جا رہی ہیں۔ کشمیر فائل ہو کہ دا کیرلا اسٹوری، فلم پٹھان ہو یا پھر فلم اجمیر ۹۲۔ یہ سب مسلمانوں کے خلاف ملک کے اکثریتی طبقے یعنی ہندوؤں کے دلوں میں نفرت پھیلانے والے سلسلہ کی ہی مشہور کڑیاں ہیں۔

کیا یہ مسلمانوں کی نسل کشی کے اقدامات ہیں: تاریخ عالم میں ہٹلر نام سے کون واقف نہیں۔ یہ جرمنی کا وہ نازی حکمراں ہے کہ جس کے اوپر یہودیوں کی نسل کشی کا الزام ہے۔ اس کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس نے یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو گیس چیمبر میں بند کر کے گیس کے ذریعہ لمحے بھر میں ہلاک کر ڈالا اور جرمنی کو یہودیوں سے پاک کر دیا۔ لیکن معاملہ یہیں تک نہیں ہے بلکہ اس گیس چیمبر کے واقعہ سے پہلے بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ جن کے ذریعہ جرمنی میں یہودیوں کے خلاف پہلے نفرت کا ایک ماحول تیار کیا گیا تھا۔ ہوا یہ کہ سب سے پہلے آہستہ آہستہ انداز میں جرمنی میں رہنے والے یہودیوں کے خلاف جرمنی کے دیگر شہریوں کے دلوں میں نفرت کا بیج بویا گیا۔ چھوٹے چھوٹے واقعات جیسے دوسری قوموں کی لڑکیوں کو بھگا لے جانا، دوسری قوموں کو نقصان پہنچا دینا، دوسرے مذاہب کے مقامات مقدسہ کی توہین کر دینا اور دوسرے لوگوں کو یہودیوں سے خطرات کا لاحق ہو جانا جیسے واقعات کی ٹھیک اسی طرح وہاں تشہیر کی گئی جس طرح یہاں سرزمین ہند پر مسلمانوں کے خلاف تقسیم ہند سے دو تین دہائیاں پہلے اور تقسیم ہند کے بعد سے اب تک یہاں تشہیر کی جا رہی ہے۔ جب جرمنی میں یہودیوں کے خلاف دیگر مذاہب اور دوسری قوموں کے دل و دماغ میں نفرت کا زہر خوب پختگی کے ساتھ سرایت کر گیا تب وہاں پر یہودیوں کے خلاف میڈیا میں اور اخبارات میں آرٹیکل شائع کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسی کے ساتھ وہاں یہودیوں کے خلاف کچھ ایسی فلمیں تیار کی گئیں کہ جنہوں نے جرمنی میں یہودیوں کے خلاف نفرت کا ایسا لاوا سلگا دیا اور ماحول ایسا مشتعل کر دیا کہ آخر کار ہٹلر کو انہیں گیس چیمبر میں ڈال کر مارنا پڑا اور انہیں جرمنی سے نکالنا پڑا۔ اس طرح چھوٹے

چھوٹے واقعات سے یہودیوں کے خلاف جرمنی میں ایسا اشتعال انگریز اور نفرت انگیز ماحول بنایا گیا کہ جس کا انجام جرمنی میں یہودیوں کی نسل کشی پر منتج ہوا۔

ہم اپنے ہندوستان کے موجودہ حالات کا اگر جرمنی کے یہودیوں کے ساتھ ہونے والی نسل کشی کے واقعات سے موازنہ کریں تو ہمارے ان خدشات کو کافی تقویت ملتی ہے کہ ہندوستان کا ایک متعصب اور مسلمانوں سے دشمنی رکھنے والا فرقہ پرست طبقہ اسی کوشش میں ہے کہ کسی طرح ملک میں مسلمانوں کے خلاف ایسا ماحول تیار کر دیا جائے کہ جگہ جگہ خود یہاں کے شہری ہی مسلمانوں پر ہجومی تشدد کرنے لگیں، انہیں جگہ جگہ گھیر کر مارنے لگیں اور ان کا یہاں رہنا دشوار کر دیں۔ ہمارے ان اندیشوں کی واقعیت کا ثبوت ملک میں کئی جگہ ہونے والے ان واقعات سے بھی ملتا ہے کہ جہاں کئی مسلمانوں کو جنونی بھیڑ نے صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے لاٹھی ڈنڈوں سے مار مار کر موت کے منہ میں پہنچا دیا۔ یہ ثبوت ہمیں راجستھان کے ان دو نوجوانوں کی موت کی صورت میں بھی ملتا ہے کہ جنہیں ہریانہ میں ادھ مرا کر کے زندہ ہی گاڑی سمیت جلا ڈالا۔ اس کا ثبوت ہمیں آئے دن ہونے والے ان واقعات سے بھی ملتا ہے کہ جہاں گائے کاٹنے کے الزام میں غریب نوجوانوں کو گاؤں والوں نے مل کر لاٹھی ڈنڈوں اور لاتوں گھونسوں سے بے دردی کے ساتھ مار ڈالا۔ ملک میں ہونے والے مسلم مخالف فسادات بھی اسی نفرت انگیز ماحول کا نتیجہ ہیں۔

جیسا جرمنی میں یہودیوں کے ساتھ ہوا ویسا ہی ہندوستان میں اس نفرتی ٹولے کی سازشوں کی بنیاد پر اب تک مسلمانوں کے ساتھ بھی کب کا ہو چکا ہوتا مگر ہمیں خوشی اس بات کی ہے کہ آج بھی سرزمین ہند پر رہنے والے اکثریتی طبقے کے ہندوؤں میں بہت سے ایسے افراد ہیں جو نفرت پھیلانے والے اس گینگ کو پسند نہیں کرتے اور نہ ہی اس طبقہ کی نفرت انگیز کاروائیوں سے وہ متفق ہیں۔ یہ لوگ آج بھی اچھی خاصی تعداد میں ہیں اور اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ یہاں کے تمام باشندے ایک ساتھ اسی طرح مل جل کر رہیں کہ جس طرح انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں سب مل کر حصہ لیتے تھے۔ بلا شبہ ایسے ہی افراد کی وجہ سے آج بھی ہندوستان کے اکثر خطوں میں امن و آشتی اور پیار و محبت کا ماحول قائم ہے۔

ہماری ذمہ داری: بحیثیت ہندوستانی مسلمان ہم لوگوں کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے وطن عزیز کا ماحول سازگار رکھنے کی ہر ممکن و شرعی کوشش کریں، جن خدشات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ہرگز واقعی حیثیت اختیار نہ کریں اس کے لئے جو شرعی دائرے میں رہ کر کیا جا سکتا ہے وہ کریں۔ مسلمانوں کی نسل کشی کرنے پر آمادہ زعفرانی متعصب فرقوں کی ناپاک کوششوں کو ناکام بنانے کی ہر سطح پر جد وجہد کریں۔ ملک کے دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے سنجیدہ اور امن پسند شہریوں کو شرعی دائرے میں رہ کر اپنے سے قریب کریں اور مسلمانوں کے تعلق سے ان کے دل و دماغ میں جو غلط فہمیاں ہیں انہیں دور کریں۔ اپنے نوجوانوں اور اپنی نئی نسل کو قابو میں رکھیں اور کوئی ایسا کام نہ کرنے دیں کہ جس سے فرقہ پرست طاقتوں کو مسلمانوں کے خلاف ماحول سازی کر کے ان کی نسل کشی کرنے کا موقع ملے۔

ترجمہ : مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

باب التفسیر

تفسیر: صدرالافاضل حضرت علامہ سیدنا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ

پیش کش : مولانا ابرارالحق رحمانی مدھوبنی

ترجمہ: — اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ ۲۴۷ تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تمہیں ۲۴۸ کوئی تکلیف پہنچی تو وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں ۲۴۹ اور یہ دن ہیں جن میں ہم نے لوگوں کے لیے باریاں رکھی ہیں ۲۵۰ اور اس لیے کہ اللہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی ۲۵۱ اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کا نکھار کر دے۔ ۲۵۲ اور کافروں کو مٹا دے ۲۵۳ کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی ۲۵۴ اور تم تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس کے ملنے سے پہلے ۲۲۵ اب وہ تمہیں نظر آئی آنکھوں کے سامنے۔

(سورۂ آل عمران پارہ ۴/ رکوع ۵، آیت ۱۳۹ تا ۱۴۳)

تفسیر: — ۲۴۷ اس کا جو جنگ احد میں پیش آیا ۲۴۸ جنگ احد میں ۲۴۹ جنگ بدر میں باوجود اس کے انہوں نے پست ہمتی نہ کی تھی اور تم سے مقابلہ کرنے میں سستی سے کام نہ لیا تو تمہیں بھی سستی و کم ہمتی نہ چاہیئے ۲۵۰ کبھی کسی کی باری ہے کبھی کسی کی ۲۵۱ صبر و اخلاص کے ساتھ کہ ان کو مشقت و ناکامی جگہ سے نہیں ہٹا سکتی اور ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آسکتی ۲۵۲ اور انہیں گناہوں سے پاک کر دے ۲۵۳ یعنی کافروں سے جو مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچتی ہیں وہ تو مسلمانوں کے لیے شہادت و تطہیر ہیں اور مسلمان جو کفار کو قتل کریں تو یہ کفار کی بربادی اور ان کا استیصال ہے ۲۵۴ کہ اللہ کی رضا کے لیے کیسے زخم کھاتے اور تکلیف اٹھاتے ہیں اس میں ان پر عتاب ہے جو روز احد کفار کے مقابلہ سے بھاگے ۲۵۵ **شان نزول** جب شہدائے بدر کے درجے اور مرتبے اور ان پر اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان بیان فرمائے گئے تو جو مسلمان وہاں حاضر نہ تھے انہیں حسرت ہوئی اور انہوں نے آرزو کی کہ کاش کسی جہاد میں انہیں حاضری میسر آئے اور شہادت کے درجات ملیں۔ انہیں لوگوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے احد پر جانے کے لیے اصرار کیا تھا ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

گلدستۂ احادیث

ترتیب وانتخاب: نبیرۂ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا الحاج الشاہ **محمد سبحان رضا سبحانی میاں مدظلہ العالی**
سربراہ اعلیٰ خانقاہ عالیہ قادریہ رضویہ رضا نگر، سوداگران بریلی شریف

بنے دو جہاں تمہارے لیے

عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یقول: خلقت الخلق لا عرفھم کرامتك ومنزلتك عندی، ولولا ك ماخلقت الدنیا۔

ترجمہ: - حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے تمام مخلوق اس لیے بنائی کہ تمہاری عزت اور تمہارا مرتبہ جو میری بارگاہ میں ہے ان پر ظاہر کروں۔ اے محبوب اگر تم نہ ہوتے تو میں دنیا کو نہ بناتا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱ صفحہ ۴۷)

تشریح: - اس حدیث اور اس کے مثل دیگر احادیث کی تشریح میں میرے جد امجد سرکار اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں۔ ''یعنی آدم و عالم سب تمہارے طفیل ہی ہیں، تم نہ ہوتے تو مطیع و عاصی کوئی نہ ہوتا، جنت و نار کس کے لیے ہوتی اور خود جنت و نار اجزائے عالم ہے جن پر تمہارے (آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے) وجود کا پرتو پڑا ہے''۔ (تجلی الیقین صفحہ ۷۳)

سچ کہا میرے جد امجد نے ۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منی
لولاک والے صاحبی سب تیرے در کی ہے

اول تخلیق: - اللہ رب العزت نے سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان مجھے بتا دیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی؟ فرمایا اے جابر بے شک بالیقین اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں خدا نے چاہا دورا کرتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن اور آدمی کچھ نہ تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا، اس نور کے چار حصے فرمائے۔ پہلے سے قلم دوسرے سے لوح تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے چار حصے کیے پہلے سے فرشتگان حامل عرش دوسرے سے کرسی تیسرے سے باقی ملائکہ پیدا کیئے۔ پھر چوتھے کے چار حصے کیے پہلے سے آسمان دوسرے سے زمین تیسرے سے بہشت و دوزخ بنائے۔ پھر چوتھے کے چار حصے کیے''۔ الخ

اس حدیث کے سلسلہ میں میرے جد کریم نے مختلف ائمہ کرام کا اپنی اپنی کتابوں میں نقل کرنے کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''بالجملہ وہ تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے تو بلاشبہ حدیث حسن صالح، مقبول، معتمد ہے، تلقی علماء بالقبول وہ شی عظیم ہے جس کے بعد ملاحظۂ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی''۔

اس سلسلہ میں کچھ آگے چل کر میرے جد کریم مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات کے حوالہ سے نور نبی کے سلسلہ میں امام ابوالحسن اشعری کا قول نقل کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نور ہے نہ اور نوروں کی مانند اور نبی ﷺ کی روح پاک اسی نور کی تابش ہے۔ اور ملائکہ ان نوروں کے ایک پھول ہیں۔

فتاویٰ منظر اسلام

ترتیب، تخریج، تحقیق:- حضرت علامہ مفتی محمد احسن رضا قادری، سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

طلاق نامہ پر شوہر کے انگوٹھا لگانے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید کی بیوی چند دنوں سے مائکہ میں رکی ہوئی تھی۔زید اپنی بیوی کو لانے کی غرض سے سسرال گیا۔زید کے سسر نے پہلے ہی سے ایک طلاق نامہ تیار کر لیا تھا۔دکھاوے کے طور پر منصوبہ بند طریقے سے زید کی بیوی رخصت ہونے پر آمادہ ہوگئی اور کپڑے وغیرہ رکھنے لگی۔اسی وقت زید کے سسر نے وہی طلاق نامہ نکال کر زید سے کہا کہ اس میں انگوٹھا لگا دو۔چونکہ زید پڑھا ہوا نہیں تھا تو اس نے کہا کہ یہ کاغذ کیسا ہے؟ تو زید کے سسر نے کہا کہ میں نے اس کاغذ میں چند آدمیوں کو اس بات کا ذمہ دار بنایا ہے کہ تم میری لڑکی کو گھر لے جا کر تکلیف نہ پہنچاؤ گے۔زید نے یہ جواب سن کر خوشی خوشی انگوٹھا لگا دیا۔جب وہ انگوٹھا لگا چکا تو سسر نے کہا کہ اب جاؤ نہ رخصتی ہوگی اور نہ ہی اب یہ تمہاری بیوی ہے۔کیونکہ تم نے طلاق دے دی ہے کیونکہ یہ طلاق نامہ ہے۔زید افسوس کرتا ہوا سسرال سے واپس ہو گیا جب لوگوں کو پتہ چلا تو کچھ لوگوں نے زید سے پوچھا کیا تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر آئے ہو؟ تو زید نے جواب دیا کہ ''ہاں دے دی'' یہ الفاظ اس نے چند آدمیوں کے سامنے چند دفعہ کہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی بیوی پر طلاق پڑی یا نہیں؟ اگر پڑی تو کتنی طلاقیں واقع ہوئیں۔بینوا توجروا۔

سائل مولیٰ بخش، موضع برکھن ضلع بریلی شریف

الجواب:-اگر واقعی طلاق نامہ پر انگوٹھا لگاتے وقت زید کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ طلاق نامہ ہے۔اس کے خسر نے دھوکہ دیکر انگوٹھا لگوایا ہے تو طلاق واقع ہونے کا حکم نہ تھا۔مگر جب بعد میں اس نے لوگوں کے سامنے طلاق دینے کا اقرار کیا اگر چہ نافہمی سے تو اس اقرار سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی۔عدت کے اندر رجعت کر سکتا ہے۔رجعت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دو مرد عادل، ثقہ اور غیر فاسق کے سامنے کہے کہ ''میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی، اسے اپنے نکاح میں واپس لیا'' اگر عدت گزر چکی ہو تو وہ نکاح سے باہر ہوگئی مگر عورت کی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔طلاق نامہ میں کیا مضمون لکھا تھا وہ دکھایا جائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ قاضی محمد عبدالرحیم بستوی غفرلہ القوی

۲۸ رشوال ۱۳۹۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ

زید یہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک سال پانچ مہینہ سے استعفیٰ دے دیا ہے۔تو اب عدت کس طرح گزاری جائے گی۔اور دوسری جگہ نکاح کیسے ہوگا؟

المستفتی جان محمد موضع گھنسی ڈاکخانہ آنولہ بریلی شریف

الجواب:-جس وقت شوہر نے یہ اقرار کیا کہ میں نے اتنے دن پہلے طلاق دی تھی اسی وقتِ اقرار سے عدت کا شمار ہوگا۔لہٰذا اگر اب شوہر نے استعفا دینے کا اقرار کیا ہے تو عورت اب عدت گزارے پھر بعد عدت دوسرے سے نکاح کر سکے گی واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ قاضی محمد عبدالرحیم بستوی غفرلہ القوی

دارالافتاء منظر اسلام سوداگران بریلی شریف

۸ رشوال ۱۳۹۰ھ

خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ سید سلیمان اشرف کی ادبی قدر و منزلت

از۔ مولانا محمد طفیل احمد مصباحی

اپنے وقت کے مشہور مفکر و حکیم ''ٹالسٹائے'' نے اعلیٰ قسم کے معیاری ادب کے لیے چار چیزوں پر زور دیا ہے:

(۱) فنکار یعنی ادیب کا خلوص (۲) اپنے تجربات کا بجنسہٖ ابلاغ (۳) جذبات کا متعدی ہونا (۴) ادب کا مذہبی اور اخلاقی قدروں کا تابع ہونا۔

(ادب اور تنقید، ص: ۶۵، سنگم پبلشرز، الٰہ آباد)

حضرت سید سلیمان اشرف صاحب اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ ہیں جو ایک دردمند دل لے کر دنیا میں آئے تھے۔ وہ اپنی فلاح و بہبود سے زیادہ قوم و ملت کی فلاح و بہبود کے متمنی تھے۔ معاشرے کی اصلاح، انسانیت کی خدمت اور دین و مذہب کا عروج و استحکام ان کی زندگی کا مقصد تھا۔ وہ تا دمِ حیات انہیں خطوط پر کام کرتے رہے اور سادہ لوح قوم کو راہِ راست پر لانے کے لیے متفکر اور کوشاں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے موصوف کو علم و حکمت اور ادب و خطابت کے بیش بہا جوہر عطا کیے تھے، جس کا استعمال وہ قوم و ملت کے مفاد کی خاطر کیا کرتے تھے۔ انہیں اگرچہ ادب اور تحقیق و تنقید سے دلچسپی تھی، لیکن اس سے کہیں زیادہ اپنی قوم، اپنے سماج، اپنی تاریخ، اپنی روایت اور اپنی تہذیبی قدروں سے دلچسپی تھی، جس کا اظہار وہ اپنی تصانیف میں بڑے کرب ناک اور اندوہ گیں لہجے میں کرتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان کا پر کشش رواں دواں اسلوب ادبی قوس و قزح سے مرصّع ہے، بایں ہمہ ان کا مقصدِ تحریر صرف اور صرف قومِ مسلم کے ذہن و دماغ میں انقلاب برپا کرنا اور ملک و معاشرہ کی اصلاح کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر (جو ادبی و تخلیقی ہونے کے سبب ادب کا بیش بہا نمونہ ہے) میں حد درجہ خلوص کارفرما ہے۔ ان کی تمام تر دینی، علمی اور تبلیغی سرگرمیاں خلوص اور رضائے الٰہی پر مبنی ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے احساسات و تجربات کا ابلاغ بلاکم و کاست بجنسہٖ نقل کرنے کے عادی ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں، صاف صاف اور ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں۔ گول مول باتیں اور واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے وہ عادی نہیں ہیں۔ ان کے دینی تصلّب، مذہبی اقدار و روایات سے ہم آہنگی و گرویدگی، ان کے فروغ و تحفظ کی نظریاتی و عملی کوشش اور ملی غیرت و حمیّت کا تذکرہ اکثر اصحابِ قلم نے کیا ہے۔ بھلا ایسے دین دار اور مذہب پسند انسان کی تحریریں، مذہبی و اخلاقی قدروں کے دائرے سے باہر کیسے جا سکتی ہیں!! ان کی تحریر، ان کا ادب، ان کا وعظ و نصیحت سب کچھ مذہبی و اخلاقی قدروں کے تابع ہے۔ لہٰذا اعلیٰ و ارفع معیار سے متعلق ''ٹالسٹائے'' کے نظریۂ ادب کی رو سے سید سلیمان اشرف کی تحریر، اعلیٰ ادبی معیار پر فائز ہے۔ چند نثری نمونے ملاحظہ کریں، جن کی سطر سطر سے جذبۂ خلوص، تجربات و احساسات کا بجنسہٖ ابلاغ و ترسیل، مذہبی و اخلاقی قدروں کی بالادستی، ملیّ درد

اور جماعتی کرب مترشح ہوتا ہے اور قومِ مسلم کے ذہن وفکر میں انقلاب برپا کرنے کے لیے سید صاحب مضطرب اور بے چین نظر آتے ہیں۔ موصوف کی مندرجہ ذیل تحریریں معنوی لحاظ سے وقیع اور فکر انگیز ہونے کے علاوہ اعلیٰ ادبی معیار کا قابلِ قدر نمونہ بھی ہیں۔

☆ ''کارخانۂ عالم ایک تعلیم گاہ ہے اور حوادثِ یومیہ کا درس قانونِ قدرت کا زبردست مدرس ہر آن ہمیں دیا کرتا ہے: جس نے صحیفۂ ہستی کا مطالعہ کیا اور سمجھا، وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس سے کچھ بھی چشم پوشی کی، اس نے ناکامی کی ایسی ٹھوکر کھائی کہ قعرِ نیستی میں گر کر پھر نہ سنبھلا۔ یہ جابر زبردست مدرس کبھی اس کا خیال نہیں کرتا کہ گرا کون اور سنبھلا کون؟ اس کا درس ہمیشہ اسی سرگرمی سے جاری رہتا ہے اور غافل، سست، کاہل، تعیش پسند اور ناعاقبت اندیش جماعت فنا ہو جاتی ہے اور عاقل، چست، محنتی، مآل بیں طبقہ وجود میں آکر بقا کا لطف اٹھاتا ہے۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے، جس میں نہ کسی برہان کی حاجت، نہ دلیل کی ضرورت۔ مشاہداتِ یومیہ اس پر شاہد عدل ہیں۔

آؤ! اب تھوڑی دیر کے لیے اس درس گاہ میں ہم جماعتِ اسلامیہ کو دیکھیں کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ آیا اس استاد کے سبق سے یہ بیداری اختیار کرتی ہے یا ایک خوشگوار افسانہ سمجھ کر اپنی نیند کا ذریعہ جانتی ہے۔ آہ! افسوس! یہاں تو عجیب وحشتناک سماں ہے۔ دیکھو دیکھو! شرق سے تا غرب تمام جماعتِ اسلامیہ اس طرح پاؤں پھیلائے بے خبر سو رہی ہے کہ موت کی صدا بھی انہیں بیدار نہیں کرتی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون''۔

(البلاغ، ص: ۲، ۳، مطبع احمدی، علی گڑھ)

☆ ''ہماری مذہبی حالت اس طرح تباہ و برباد ہو گئی ہے کہ اگر ہمارے اسلاف اپنی قبروں سے نکل کر ہماری کیفیتوں کا نظارہ کریں تو واللہ انہیں کسی طرح ہمارے اسلام کا وہم بھی نہ ہو۔ ایک زمانہ تھا کہ مسلمانوں کا نصب العین، دین و ایمان تھا اور کامرانیِ دنیا ایک طفیلی شے۔ اب دنیا اصل مطلوب اور دین ایک امرِ فضولی۔ کسی وقت دولت مندی کا شمار اعمالِ حسنہ و اخلاقِ سَنیّہ پر تھا، اب درہم و دینار کی تھیلیوں پر۔ افسوس! اسلام کیا تھا اور ہم نے کیا بنا رکھا ہے۔ نہیں معلوم کل مرنے کے بعد جب حضوری اس جلیل و جبار کی بارگاہ میں ہوگی تو کیا منہ لے کر ہم جائیں گے۔ معاصی کی سیاہی چہروں پر چڑھی ہوگی اور نافرمانی کا ذلیل طوق گلے میں ہوگا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۔ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ۔ اس رحمٰن و رحیم نے اپنے کمالِ فضل و رافت سے ہمیں بتاکید سمجھا دیا تھا کہ: ولا تموتن الا و انتم مسلمون کہ دیکھو ہوشیار خبردار! میری اطاعت کی رسّی گلے سے نکلنے نہ پائے۔ میری سرکار میں جو آنا تو مسلمان آنا۔ مگر ہم اپنے تخیلاتِ فاسدہ میں ایسے مبتلا ہوئے کہ یہ تمام باتیں ہمیں فسانہ معلوم ہونے لگیں اور شیطان نے یہ افسوں کان میں پھونک دیا کہ:

واعظِ ناداں کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میر
آؤ میخانہ چلیں، تم کس کی باتوں پر گئے

(البلاغ، ص: ۴۵-۴۶، مطبع احمدی، علی گڑھ)

اگر حقیقت بیں نگاہوں سے دیکھا جائے، نفس الامر میں مہذب و آزاد زندگی انہیں کی ہوسکتی ہے جنھوں نے نہایت سچائی سے اللہ و رسول کی اطاعت کی زنجیر نفسِ امّارہ کے قدموں میں ڈالی ہو۔ پس اس وقت ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے نفس کا آپ محاسب ہو جائے

اورترکِ معاصی پر شدت سے مستعد ہو۔ علما اپنی وعظ و نصائح سے مسلمانوں کوگرماتے رہیں اوراپنی باصفا زندگی کو ایک سچا اور با اثر واعظ بنائیں۔اس طرح اگر دین داری کی طرف کچھ عوام بڑھیں اور علمانے اپنی مخلصانہ تحریر وتقریر اورسب سے زیادہ اپنی عملی زندگی کے نمونے سے مسلمانوں کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تو ان شاء اللہ العزیز بہت جلد خدا کی رحمت انہیں میدانِ سبقت میں اپنے فضل سے کامیاب بنادے گی۔عزیزو!ہوشیار،ہوشیار!دین کی دولت ہاتھ سے جانے نہ پائے۔اس شاہانہ زندگی سے جو کفر کے ساتھ میسر آتی ہے،ہزار درجہ وہ عسرت کی زندگی محبوب ہے جس میں چاشنی ایمان کی اورسوزش عشقِ الٰہی کی ہو''۔

(البلاغ،ص:۴۶-۴۷)

سید سلیمان اشرف کے اعلیٰ ادبی شہ پارے اور معیاری نثری نمونے ان کے معاصرین میں مسٹر ابو الکلام آزاد، مولوی عبدالحق،مولوی سلیمان ندوی،خواجہ حسن نظامی اور مناظر احسن گیلانی وغیرہ کے مقابلے میں بجا طور پر رکھے جا سکتے ہیں۔فصاحت و بلاغت،سلاست و برجستگی،زورِ استدلال،زبان و بیان کی قوت، رواں دواں اسلوب اور دیگر ادبی اوصاف میں ان کی تحریریں اردو کے باکمال جدید وقدیم نثر نگاروں کی تحریرات سے کسی بھی صورت کم نہیں ہیں۔سید سلیمان صاحب کی زبان دانی و قادر الکلامی فطری تھی۔وہ قدرتی طور پرلسّان وطرّ از واقع ہوئے تھے۔ان کی خطابت کا لوہا اکابر علماء ومشائخ ورجالِ ادب نے مانا ہے۔خطابت کی طرح نثر نگاری میں بھی درک وکمال حاصل تھا۔ بلاغت آشنا عالم وادیب تھے۔مدّ مقابل کا ناطقہ کیسے بند کرنا ہے،اس ہنر سے بخوبی واقف تھے۔ الٰہ آباد کے تاریخ ساز اجلاس کہ جس میں ہندو مسلم کے عمائدین کے علاوہ گاندھی جی بھی شریک ہوئے تھے،اس میں سید سلیمان صاحب کا پُر لطف جملہ اور تاریخی لطیفہ اب تک اہلِ علم کو یاد ہے۔موصوف کسی بھی موضوع پر بے ضغطۂ زبان گفتگو فرماتے اور دشوار ترین موضوعات پر بھی بڑی مہارت وخوش اسلوبی اور لسانی چٹخارے کے ساتھ اعلیٰ ادبی نثر پارے سپرِدِقرطاس کرتے تھے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی نے ان کی زبان دانی وقادر الکلامی کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''بہت کم لوگوں کو سید سلیمان اشرف مرحوم جیسی پُر لطف باتیں کرتے سنا ہے۔برمحل لطائف اور فقروں کی کمی نہ تھی۔لطیفے خواہ کیسے ہی ہوں ''بے ضغطۂ زبان'' کہتے تھے۔ان کی زبان پر بعض غیر ثقہ فقرے بھی بڑے مزے کے معلوم ہوتے۔ بڑے عرصہ تک ساتھ رہا،شاید ہی کبھی کسی لطیفے یا فقرے کو دوہراتے سنا۔ایسوں سے بھی واقف ہوں جو بڑے لسّان اور طرّ از سمجھے جاتے ہیں،لیکن دو چار صحبتوں کے بعد اکثر یہی معلوم ہوا کہ فقرے اور لطیفے رٹے ہوئے ہیں جو موقع و بے موقع دوہرا دیے جاتے ہیں۔ برمحل اور اور اچھوتا فقرہ چُست کرنا آسان نہیں۔مرحوم کو اس میں خاص درک حاصل تھا''۔

(گنج ہائے گراں مایہ،ص:۴۴،مکتبہ جامعہ لمیٹڈ،دہلی)

''عظیم آباد کی تہذیبی داستان'' میں لکھا ہے کہ:

''مولانا (سید سلیمان اشرف) بڑے شیریں گفتار تھے۔اعلیٰ سے اعلیٰ یا معمولی گفتگو ہو،سب پر بڑی شگفتگی کے ساتھ تقریر کرتے۔ان کی گفتگو میں مزاح بھی ہوتا،ادب کا لطف بھی ہوتا اور نئے نئے جملے اور محاورات کی عکاسی بھی ان کی گفتگو میں نگینہ بن کر چمکتی۔علمِ

خطابت میں ان کا درجہ ہندوستان کے بڑے بڑے خطیبوں اور مقررین کے مقابلہ میں مانا ہوا تھا۔''

(عظیم آباد کی تہذیبی داستان، ص:۳۳۴، بہار اردو اکیڈمی)

سید سلیمان اشرف کی اعلیٰ و اشرف تحریروں کی تازگی آئندہ سو دو برسوں میں بھی ماند نہیں پڑے گی۔ زبان و بیان کی سادگی اور سلاست و برجستگی کے ساتھ دلیل و برہان کی قوت نے ان کی تحریروں کو''ادب پارہ''اور''اردوئے معلّیٰ''کا نمونہ بنا دیا ہے۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی جو آج اردو زبان و ادب کے ممتاز ادیب و محقق اور باکمال نثر نگار مانے جاتے ہیں اور اردو دنیا کو جن کے فضل و کمال اور ادبی جاہ و جلال پر ناز ہے، ان کی علمی و ادبی نشو و نما میں علامہ سید سلیمان اشرف بہاری نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ رشید صاحب، سید صاحب کے''تلمیذِ رشید'' تھے۔ انہوں نے اپنے مشفق استاد کی بلند قامت شخصیت اور ان کے مقام و مرتبہ کا ذکر''گنج ہائے گراں'' میں بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے، جو آگے چل کر ''سلیمانیات'' پر کام کرنے والے اسکالروں کے لیے ماخذ اور خضرِ راہ بنا ہے۔ سید سلیمان اشرف نے اپنے اس اس چہیتے شاگرد کی ادبی و تحریری نشو و نما اس طرح فرمائی ہے کہ جب رشید صاحب کوئی تحریر یا مضمون لکھتے تو سید صاحب اسے بغور مطالعہ کرتے اور اس پر اپنی پسند و ناپسند کا اظہار ضرور کرتے۔ اس سے رشید صاحب کو حوصلہ ملتا اور اپنی کمیاں دور کرنے کا موقع میسر آتا۔

چنانچہ پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''(مولانا سید سلیمان اشرف) میرے مضامین کے بڑے شائق تھے۔ خود پڑھتے اور اپنے مخلصوں اور بے تکلف دوستوں کو سناتے۔ ملتا تو مضمون کے بارے میں اپنی رائے بھی سنا دیتے اور یہ بھی بتا دیتے کہ کن کن کو انہوں نے مضمون سنایا اور کس نے کیا کہا۔ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا۔ ایک دن مولانا یونیوسیٹی کی آفس (علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی) سے اتر کر اسٹریچی ہال کی طرف آ رہے تھے، میں سڑک سے گذر رہا تھا۔ سلام کیا اور بولے: اجی! یہ تم کیا مہمل لکھنے لگے ہو۔ اس دفعہ کا مضمون بڑا الغو تھا، ہاں! بالکل بے سر و پا۔

(گنج ہائے گراں مایہ، ص:۲۸، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی)

اس طرح سید سلیمان اشرف صاحب نے اپنے ایک ہونہار شاگرد کو زبان و ادب کی بیش بہا خدمت انجام دینے کے لیے تیار کیا۔ لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ شاگرد کا نام تو اردو ادب کے معماروں میں لیا جاتا ہے اور استاد کا نام اردو کے ادبی منظرنامے سے غائب ہے!!!

پروفیسر اسلوب احمد انصاری نے سید سلیمان اشرف کو''توانا، پُرتجمّل اور بے پناہ شخصیت''کا خطاب دیا ہے۔

(رشید احمد صدیقی: شخصیت اور ادبی قدر و قیمت؛ ص: ۱۰۸، اتر پردیش اردو اکیڈمی)

یہ توانائی اگر ایک طرف ان کی ہشت پہلو شخصیت اور اعلیٰ فکر و فن کی توانائی ہے تو دوسری طرف ان کی بے پناہ یعنی بھاری بھرکم شخصیت کا پُرتجمل اظہاریہ ہے۔ ذاتی اوصاف اور شخصی کمالات، فکر و فن پر لامحالہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان کی پُرتجمل شخصیت نے ان کی تحریر، ان کے ادب و نثر اور ان کے فکر و فن پر جمالیات کی حسین ردائیں اور دلکش قبائیں ڈال رکھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں ادبی جمال، فنی کمال اور لسانی بانکپن کا ایک وجد آفریں اور طرب انگیز سلسلہ نظر آتا

ہے، جو قارئین کو مسحور کیے بغیر نہیں رہتا۔

سید صاحب کی ادبی نثر نگاری کا زمانہ وہی ہے، جو مولانا ابو الکلام آزاد، سید سلیمان ندوی، خواجہ حسن نظامی اور عبد الماجد دریا آبادی کے ادبی و نثری عروج کا زمانہ ہے۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ادب کے ان ''عناصرِ اربعہ'' نے (ابوالکلام آزاد کے علاوہ) بارگاہِ سلیمانی میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے اور ان کی قرار واقعی حیثیت کا انشراحِ صدر کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ اس سلسلے سے میری کتاب: ''علامہ سید سلیمان اشرف بہاری: اہلِ علم کی نظر میں'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔ یہ چاروں حضرات چوں کہ کسی نہ کسی جہت سے ادبی اداروں اور صحافتی شعبوں سے وابستہ رہے، ان لیے مشہور ہو گئے اور ادب کے جیالوں میں شمار کیے گئے۔ لیکن علامہ سید سلیمان اشرف علیہ الرحمہ از اول تا آخر (تقریباً چالیس سال) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں تعلیم و تدریس سے وابستہ رہے اور مکمل طریقے سے میدانِ ادب و صحافت میں قدم نہیں رکھا، اس لیے ادبی دنیا میں مشہور نہ ہو سکے۔ بایں ہمہ دینی، ملی، علمی، تاریخی اور ادبی ضرورت کے تحت جو کچھ لکھا اور جتنا لکھا، وہ ادبی لحاظ سے قابلِ قدر ہے۔ راقم الحروف کی ناقص معلومات کی حد تک ابوالکلام آزاد اور عبد الماجد دریابادی نے خالص متنی تدوین اور ادبی تنقید نگاری میں مستقل طور پر کوئی سرمایہ نہیں چھوڑا ہے، لیکن سید سلیمان اشرف صاحب نے اس سلسلے میں دو مستقل تصانیف ''المبین'' اور ''مقدمۂ مثنوی ہشت بہشت''۔ معروف بہ "الانہار "یادگار چھوڑی ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''مولانا سید سلیمان اشرف کو تحریر و تالیف کا بھی ذوق تھا۔ خسرو کی ایک مثنوی پر مقدمہ (الانہار کے نام سے) لکھا ہے۔ حج کے مسائل اور عربی فضائل پر دو رسالے لکھے ہیں۔ ایک کتاب ''مبین'' نامی ''عربی فیلالوجی'' پر لکھی تھی، جس پر ہندوستان اکیڈمی نے پانچ سو روپے کا انعام دیا تھا اور بھی متفرق مضامین لکھے تھے۔ یونیورسٹی (علی گڑھ) میں علومِ اسلامیہ کے درس کے علاوہ عصر کے بعد قرآن پاک کی تفسیر پڑھایا کرتے تھے۔ خاص خاص شوقین طالب علم اس میں شریک ہوتے۔

(یادِ رفتگاں، ص:۱۹۱، مجلس نشریاتِ اسلام، کراچی)

سید سلیمان اشرف ایک صاحبِ طرز ادیب:

رئیس المحققین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری علم و حکمت، تحقیق و تنقید اور تاریخ و لسانیات کے مردِ میداں ہونے کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو زبان و ادب کے ایک نکتہ رس عالم اور اداشناس فاضل تھے۔ ان تینوں زبانوں کے ادب و تاریخ پہ ان کی گہری نظر تھی، جس کا واضح ثبوت ان کی دو بلند پایہ تصانیف " المبین "اور حضرت امیر خسرو کی شہرۂ آفاق ''مثنوی ہشت بہشت'' کا عالمانہ و ناقدانہ مقدمہ ہے، جو "الانہار " کے نام سے موسوم ہے۔ دیگر تصانیف سے قطع نظر صرف ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کرنے والا انصاف پسند قاری علامہ موصوف کے مایۂ ناز محقق، ماہرِ لسانیات اور ''صاحبِ طرز ادیب'' ہونے کی گواہی دے گا۔ موصوف اردو زبان کے ایک صاحبِ طرز ادیب تھے۔ تاریخ و تنقید اور لسانیات جیسے خشک اور دشوار موضوعات کو بھی انہوں نے اپنے زورِ بیان اور منفرد ادیبانہ اسلوب سے ادبی و تخلیقی نثر کا نمونہ بنا دیا ہے۔

ادیب بنا بجائے خود ادب کے صحرا میں سینے کے بل رینگنے اور حد درجہ محنت و ریاضت کا کام ہے۔ ادیب یا صاحبِ طرز ادیب بننا یا کہلانا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس کے لیے زندگی کے ایک بیش قیمت حصّے کو داؤ پر لگانا پڑتا ہے اور تحریر و ادب کی پُر خار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ آج آداب و القاب کا جس طرح خون ہو رہا ہے، وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہر کس و ناکس اور معمولی لکھاڑی کو ادیبِ شہیر، ادیبِ عصر اور اس سے آگے بڑھتے ہوئے ادیبِ عصر کہہ دیا جاتا ہے اور یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی ہے کہ ان آداب و القاب کی معنوی اہمیت و حیثیت کیا ہے؟ ''صاحبِ طرز ادیب'' بننا گویا اپنی پوری زندگی کو قرطاس و قلم کے لیے وقف کر دینا ہے، تب کہیں جا کر یہ اعلیٰ مقام و منصب حاصل ہوتا ہے۔

سید سلیمان اشرف صاحب طبعی لحاظ سے بھی ادیب تھے اور کسبی اعتبار سے بھی ادیبِ عصر کا درجہ رکھتے تھے۔ ادبِ کسبی یا ادبِ نفسی ان اخلاقِ حسنہ و صفاتِ محمودہ کو کہتے ہیں، جن پر انسان کو پیدا کیا گیا ہو۔ مثلاً حلم، سخاوت، حیا، بردباری وغیرہ اور ادبِ کسبی سے وہ ادب مراد ہوتا ہے جسے درس و مطالعہ، حفظ و قراءت اور غور و فکر کے بعد حاصل کرتا ہے۔ علامہ موصوف کو تعلیمی ایام سے ہی مروجہ دینی علوم کے علاوہ عربی، فارسی اور اردو ادبیات سے خصوصی لگاؤ رہا۔ خطابت میں خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ موصوف کے چچا ان کے فضل و کمال اور علمی تبحر کو دیکھتے ہوئے انھیں ''مُلّا جی'' یعنی (علم و حکمت سے بھرا ہو) کہہ کر پکارتے تھے۔ خطابت کا فطری ملکہ حاصل ہونے کے سبب بہت جلد مضمون نگاری و نثر نگاری میں مہارت پیدا کر لی۔ تقریباً ۲۳/ سال کی عمر میں جب علی گڑھ کالج ملازمت کی غرض سے پہنچے تو ان کا تحریری و تقریری امتحان لیا گیا۔ معاون کتب سے مدد لیے بغیر عشا سے فجر تک کے درمیان ایک ہی نشست میں ''معجزہ'' کے عنوان پر ۲۲/ صفحات (فل اسکیپ سائز) کا مفصل و مدلل مقالہ لکھ کر یونیورسیٹی انتظامیہ کے حوالے کر دیا اور بعد نماز جمعہ ''توحید'' کے موضوع پر اساتذہ و انتظامیہ کی موجودگی میں ایسی زبردست تقریر فرمائی کہ سامعین جھوم اٹھے۔

علامہ ہدایت اللہ خان جون پوری کے نواسے حافظ غلام غوث مرحوم لکھتے ہیں:

''ملازمت کی اطلاع ملتے ہی مولانا سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ آئے اور کمیٹی (مسلم یونیورسیٹی، علی گڑھ کمیٹی) کے سامنے پیش ہوئے۔ کمیٹی کے ممبران نے ان کا انتخاب کیا، لیکن تحریر و تقریر کا امتحان لینا ضروری سمجھا گیا۔ چنانچہ نواب حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی (جو آگے چل کر سید سلیمان اشرف صاحب کے جگری دوست بنے) کے ذریعے مولانا سے کہا گیا کہ وہ ''معجزہ'' کے عنوان پر مضمون قلم بند فرمائیں اور اس سلسلے میں اگر کتابوں سے استفادہ کی ضرورت ہو تو حبیب گنج تشریف لے جائیں اور وہاں کے کتب خانے سے معلومات حاصل کریں۔ مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ مجھے بحمد اللہ! کسی کتاب کے مطالعہ کی ضرورت نہیں۔ صرف کاغذ اور قلم دوات فراہم کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ چیزیں ان کے حوالے کر دی گئیں اور مولانا نے نماز عشا کے بعد صبح کی نماز تک ایک ہی نشست میں بائیس فل اسکیپ کاغذ (صفحات) پر مفصل و مدلل اور مکمل مضمون تحریر کر کے شروانی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا، جس کے مطالعہ کے بعد نہ

صرف ارکانِ کمیٹی متاثر ہوئے، بلکہ شروانی صاحب پر مولانا سلیمان صاحب کی علمی لیاقت کا سکہ بیٹھ گیا اور انہوں نے نواب وقار الملک صاحب سے پرزور الفاظ میں سفارش کی کہ مولانا کا فوراً تقرر کر لیا جائے۔ لیکن انہوں نے بہ نظرِ احتیاط فرمایا کہ مولانا کی خطابت کا بھی اندازہ کر لیا جائے۔ چنانچہ کالج کی جامع مسجد میں جو موجودہ شکل میں نہیں تھی، بعد نمازِ جمعہ مولانا سے کہا گیا کہ ''توحید'' پر تقریر فرمائیں۔ مولانا نے پورے تین گھنٹہ اس انداز سے تقریر کی کہ پرستارانِ وحدت جھوم جھوم گئے اور سب ہی کو یہ تقریر پسند آئی اور اسی دن مولانا کا پچاس روپے ماہانہ پر تقرر کر دیا گیا اور رہنے کے لیے ''آدم جی پیر بھائی کی منزلِ زیریں'' تجویز ہوئی''۔

(سہ ماہی العلم، کراچی، ص:۸۲، ۱۹۷۴ء)

اس اقتباس سے علامہ موصوف کی تحریری صلاحیت اور قلمی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں آپ نے تقریباً چالیس سال تک تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دیں اور وہاں ان کے علمی وادبی ذوق کو خوب خوب پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ علی گڑھ میں اپنی چالیس سالہ مدتِ قیام کے دوران انہیں یونیورسٹی کے مختلف الخیال اساتذہ اور نوع بہ نوع علمی وادبی مزاج رکھنے والے حضرات سے سابقہ پڑا، جو اپنے اپنے حلقے میں ماہرینِ علم وفن کہلاتے تھے۔ خود ان کے مخصوص احباب ورفقاء کا ایک وسیع حلقہ تھا، جن میں سے ہر ایک آسمانِ علم وادب کے نیّرِ تاباں تھے۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق سے گہرے مراسم تھے۔ ان کی آزاد خیالی اور مذہب بیزاری کے سبب سلیمان اشرف صاحب انہیں ''کالا کافر'' کہتے تھے۔ ''خانقاہِ سلیمانی'' میں روزانہ عصر کے بعد مخصوص احباب کی مجلس جمتی تھی اور ''سلیمانی چائے کا دور'' چلتا تھا۔ مولوی عبدالحق بھی اس میں شریک ہوتے تھے۔

الحاج محمد مقتدیٰ خاں شروانی اپنے مضمون ''بابائے اردو مولوی عبدالحق کو میں نے کیسے اور کیسا جانا؟'' میں لکھتے ہیں:

''امیر عبدالرحمٰن خان والیِ کابل کے زمانے میں ایک شخص باغی ہو گیا تھا۔ امیر نے اسے ''کالا کافر'' قرار دے کر اس سے جہاد کیا تھا۔ مولوی عبدالحق کی آزادیِ رائے اور اخلاقی جرأت کی بنا پر مولانا سلیمان اشرف صاحب نے ان کا لقب ''کالا کافر'' قرار دے دیا تھا اور ان کے ورود کا نوٹس بھی انھیں الفاظ میں گھومتا تھا کہ ''کالا کافر آ گیا ہے''۔ مولانا سلیمان صاحب اپنی مجلس کو فخر کے ساتھ ''گپ کی مجلس'' کہا کرتے تھے۔ پتھر کی لکیر جیسے مجلس کے کچھ اصول تھے۔

(۱) کسی کی بدگوئی نہ ہوتی تھی۔

(۲) کوئی خودغرضی کا معاملہ نہ ہوتا تھا۔

(۳) ہر قسم کے مضامین پر ایسے انداز میں بات ہوتی تھی کہ دماغ پر مطلق بار نہ ہو۔

(۴) قابلِ ہمدردی لوگوں کی مدد پر غور ہوتا تھا

(۵) دوسروں کی اخلاقی اقدار کو سراہا جاتا تھا۔ وغیرہ وغیرہ

مولوی عبدالحق صاحب کی شرکت سے ''گپ'' کا لطف دوبالا ہو جاتا تھا۔ آخر نومبر یا شروع دسمبر ۱۹۶۰ء کے ایک نیاز نامہ (خط) میں میں نے انہیں ''کالا کافر'' کا خطاب یاد دلایا تو انہوں نے ۹/ دسمبر ۱۹۶۰ء کے والا نامہ میں مجھے لکھا:

''جو خطاب انہوں (مولانا سلیمان اشرف) نے مجھے عطا فرمایا تھا، مجھے اس پر فخر ہے۔ ظاہر پرست، پابندِ اوہام ورسومِ کفر واسلام میں

تمیز نہیں کر سکتے۔ رسمی مسلمان ہونا آسان ہے، کافر ہونا دشوار ہے۔ اس میں بہت سخت مقام طے کرنے پڑتے ہیں۔ یہ سعادت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے''۔

(انجمن ترقی اردو، پاکستان کا پندرہ روزہ "قومی زبان"، ص: ۸۲، اگست ۱۹۷۴ء، بابائے اردو نمبر)

علامہ سید سلیمان اشرف کے تعلقات و مراسم ہم عصر علماء و مشائخ، اربابِ فضل و کمال، رجالِ فکر و فن اور اصحابِ شعر و ادب سے یکساں رہے۔ نظریاتی و سیاسی اختلافات کے باوجود مولوی عبدالحق کے علاوہ مسٹر ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خان، مولوی سید سلیمان ندوی اور شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال وغیرہ سے ان کے دوستانہ و مخلصانہ روابط تھے، جن کے سبب ان کے فکر و فن اور ادبی ذوق نے خوب خوب جلا پائی اور ایک دیدہ ور محقق و ناقد کے ساتھ ایک ''صاحبِ طرز ادیب'' بن کر اپنی ادبی عظمت کے نقوش چھوڑ گئے۔ علامہ سید سلیمان اشرف کی تہہ دار شخصیت کے نظری اور عملی پہلو دونوں آ کر جمالیاتی کمال میں مل گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عالم کا عالمانہ کرّ و فر، ایک مفکر کی تابانیِ فکر، ایک محقق کی دیدہ وری، ایک ادیب کا تخلیقی ذہن و وجدان، ایک خطیب کی گھن گرج، ایک مدبّر کی دور اندیشی، ایک ناقد کی انتقادی بصیرت، ایک باکمال مصنف کی ادبی طمطراق کا، ایک ماہرِ تعلیم اور ماہرِ لسانیات کی جفاکشی، ایک معلم کی شفقت و رافت، ایک عاشقِ صادق کا سوزِ دروں اور ایک درویش کی قلندرانہ شان، یہ سارے اوصاف و کمالات بیک وقت ان کی ذات میں جمع ہو گئے تھے۔

صاحبِ طرز ادیب اسے کہتے ہیں جو ادب کے نثری شعبوں پر اچھی خاصی نظر رکھتا ہو اور مختلف اسالیبِ نثر کا موجد ہو یا کم از کم مختلف قسم کی طرزوں اور نوع بہ نوع اسالیبِ نثر کی تحریر پر قادر ہو۔ میری ناقص معلومات کی حد تک غالب اور سرسید کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صاحبِ طرز ادیب و شاعر تھے، تو یہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ دونوں بیک وقت مختلف اسالیبِ نثر کے موجد تھے اور ان پر قدرت بھی رکھتے ہیں۔ باقی دیگر افراد و اشخاص پر صاحبِ طرز ادیب ہونے کا اطلاق مختلف اسالیبِ نثر پر ان کی قدرت و مہارت کے لحاظ سے ہے۔ علامہ سید سلیمان اشرف کا تعلق اسی دوسرے ادبی گروہ سے ہے۔ وہ مختلف اسالیبِ نثر پر غیر معمولی قدرت رکھتے تھے اور موقع و محل کی مناسبت سے تحریر کا اسلوب و انداز بدلتے رہتے تھے۔ میرے ناقص خیال کے مطابق شبلی نعمانی، مسٹر ابوالکلام آزاد اور مولوی سید سلیمان ندوی وغیرہ کا جو اسلوبِ تحریر ہے، قریب قریب وہی تحریری و نثری اسلوب سید سلیمان اشرف کا بھی ہے۔ ان کی تحریروں میں سادہ نثر، رنگین نثر، مقفّیٰ نثر، علمی نثر، استدلالی نثر نیز سادہ اسلوب، رنگین اسلوب، بیانیہ اسلوب، توضیحی و تمثیلی اسلوب، خطیبانہ اسلوب وغیرہ کے رنگ برنگ حسین جلوے نظر آتے ہیں، جو ان کے ''صاحبِ طرز ادیب'' ہونے کی دلیل و جواز فراہم کرتے ہیں۔ آئندہ صفحات میں ان کی ادبی نثر نگاری، ان کے مختلف اسالیبِ تحریر اور سلیمانی نثر کی خصوصیات پر ہم دلائل کے ساتھ گفتگو کریں گے۔ یہاں ہم ان چند اہلِ علم و قلم کے تاثرات نقل کرتے ہیں، جنہوں نے علامہ موصوف کو صاحبِ طرز ادیب یا ان کی اعلیٰ نثر نگاری کو ''شہکارِ ادب'' کے خطاب سے نوازا ہے۔

ڈاکٹر عبدالباری ندوی لکھتے ہیں:

'' آپ اپنے وقت کے بہترین مقررین میں شمار کیے جاتے تھے۔

آپ صاحبِ طرز ادیب تھے۔ آپ کی ادبی موشگافیاں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں''۔

(سہ ماہی فکر و نظر، علی گڑھ، ۱۹۹۹ء، ص:۴۹)

ماہرِ سلیمانیات جناب ظہور الدین خان امرتسری تحریر کرتے ہیں:

''پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری جہاں ایک قادر الکلام مقرر، دور بیں محقق، صاحبِ طرز ادیب، ایک عظیم مدبر اور بہترین معلم تھے، وہیں آپ کی حیثیت ماہرِ تعلیم کے طور پر بھی مسلم تھی''۔

(دیباچہ: السّبیل، ص:۲۹، ادارہ پاکستان شناسی، لاہور)

سید بدر الدین عظیم آبادی کے بقول:

''مولانا سلیمان اشرف بڑے شیریں گفتار تھے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ یا معمولی گفتگو ہو، سب پر بڑی شگفتگی کے ساتھ تقریر کرتے۔ ان کی گفتگو میں مزاح بھی ہوتا، ادب کا لطف بھی ہوتا اور نئے نئے جملے اور محاورات کی عکاسی بھی ان کی گفتگو میں نگینہ بن کر چمکتی''۔

(عظیم آباد کی تہذیبی داستان، ص: ۳۲۸، ۳۳۱، ۳۳۴، بہار اردو اکیڈمی)

ڈاکٹر شفیق اجمل قادری لکھتے ہیں:

''مولانا سید سلیمان اشرف کی تحریریں اعلیٰ ادبی شہکار اور اردو ادب کے قیمتی خزانے ہیں، جن میں بیان کا جوش و زور، شوکتِ جلال اور ندرتِ خیال کے نگارخانے آراستہ ہیں۔ ان کی ادبیت کا یہ کمال ہے کہ سیاست جیسے بے رنگ اور تحقیق و تنقید جیسے خشک موضوع پر بھی جب وہ ہونٹوں کی دکانیں بھی آمنے سامنے ہیں۔ دوستی کی بنا پر عبید جتیندر کے ساتھ تھا۔ لیکن شدت پسندوں نے جتیندر کے بجائے مسلم لڑکے کے نام پر فتنہ و فساد مچانا شروع کر دیا ہے۔

نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از۔ طفیل احمد مصباحی

علم و عمل کی بھیک رسولِ خدا سے مانگ
سرمایۂ خلوص و ادب مصطفیٰ سے مانگ

وہ رب کہ جس نے رکھّی ہے بنیاد نعت کی
توفیقِ ''نعت گوئی'' اسی کبریا سے مانگ

ذوقِ نظر، طہارتِ فکر و قلم، شعور
عشق و وفا و عاجزی خیر الوریٰ سے مانگ

یہ کم نظر ''فلاسفہ'' بانٹیں گے کیا گیان
نورِ علوم و آگہی شمس الضحیٰ سے مانگ

پھیلا نہ اپنا ہاتھ تونگر کے سامنے!!
جس چیز کی طلب ہے شہِ دوسرا سے مانگ

توفیقِ خیر، رشد و ہدایت کی روشنی
اس عصرِ نو کے تار میں نور الہدیٰ سے مانگ

دربارِ مصطفیٰ سے زمانہ ہے فیضیاب
جو مانگنا ہے منبعِ لطف و عطا سے مانگ

پیشِ نظر ''حدائقِ بخشش'' رکھو طفیل
اسلوبِ نعت حضرتِ احمد رضا سے مانگ

مسلم دشمنی میں سلگتا اُترّ کاشی

از۔مولانا غلام مصطفیٰ نعیمی، روشن مستقبل دہلی

دلی سے تقریباً ۳۷۵رکلومیٹر دور ہمالیہ کی پہاڑیوں میں اتراکھنڈ کا ایک خوبصورت اور ٹھنڈا رہنے والا ضلع ''اتر کاشی'' ان دنوں مسلم دشمنی کی آگ میں سلگ رہا ہے۔۲۶رمئی ۲۰۲۳ء کو اسی ضلع کے سب ڈویژن ''پُرولہ'' میں ایک مقامی ہندو لڑکی دو لڑکوں کے ساتھ دیکھی گئی، شک ہونے پر لوگوں نے ان کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ان میں ایک لڑکا جتیندر سینی تھا اور دوسرے لڑکے کا نام محمد عبید تھا۔

اہل خانہ کے مطابق لڑکی قانوناً نابالغ تھی اس لیے پولیس نے دونوں لڑکوں پر نابالغ لڑکی کے اغوا کا کیس لگا کر جیل بھیج دیا۔یہ واقعہ ۲۶رمئی کو پیش آیا اور ۲۷رمئی تک لڑکے جیل اور لڑکی اپنے اہل خانہ کے پاس پہنچا دی گئی۔دو دن کے بعد اچانک ہی کچھ ہندو تنظیموں نے اس واقعے کو''لو جہاد'' قرار دے کر''پرولہ'' میں آباد مسلمانوں کے خلاف ہنگامہ آرائی شروع کر دی۔

ابتدا میں عام لوگوں نے بھی یہی سمجھا کہ یہ معاشقے ہی کا معاملہ ہوگا۔مخلوط ماحول کی وجہ سے آئے دن اس قسم کی خبریں آتی رہتی ہیں۔حالانکہ ایسے معاملات میں سازش کا سرا دور دور تک نہیں ہوتا یہ بس انفرادی اور اتفاقی معاملات ہوتے ہیں۔مذہب یا مذہبی تعلیم سے ان کا کوئی لینا دینا نہیں ہوتا، لیکن ہندو تنظیمیں ایسے معاملات میں بھی مسلم اینگل تلاش کرتی پھرتی ہیں، نہیں ملتا تو زبردستی بنا لیتی ہیں، چوں کہ اس معاملے میں دو لڑکے گرفتار ہوئے تھے جن میں ایک ہندو اور ایک مسلم تھا۔

بس شر پسندوں کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔حالانکہ ابھی تک یہ بات صاف نہیں تھی کہ معاشقہ کس لڑکے کا تھا؟

''جَن جواز'' ویب پورٹل کے صحافی ترلوچن بھٹ کے مطابق یہ معاملہ ہندو لڑکے جتیندر سینی کے معاشقہ کا تھا۔جتیندر اور عبید دونوں کا تعلق یوپی کے بجنور ضلع سے ہے، دونوں ''پرولہ'' ہی میں کام کرتے ہیں اور دونوں کی دوکانیں بھی آمنے سامنے ہیں۔دوستی کی بنا پر عبید جتیندر کے ساتھ تھا۔ لیکن شدت پسندوں نے جتیندر کے بجائے مسلم لڑکے کے نام پر فتنہ وفساد مچانا شروع کر دیا۔

حالیہ تنازع: چھبیس مئی کو یہ حادثہ ہوا، لڑکے جیل اور لڑکی گھر والوں کے پاس پہنچا دی گئی۔عام طور پر ایسے کیسوں میں بات یہیں ختم ہوجاتی ہے لیکن اس کیس میں ایک لڑکا مسلم تھا اس لیے شرپسندوں نے اس معاملے کو'' لو جہاد'' بتا کر مسلمانوں کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔''پرولہ'' شہر میں بڑی آبادی ان مسلمانوں کی ہے جو یہاں کاروباری غرض سے آباد ہیں۔اس لیے ان کے دوکان ومکان کرایوں پر زیادہ ہیں۔بہت کم لوگ ہیں جو مقامی ہیں یا دوکان ومکان کی ملکیت رکھتے ہیں۔اسی وجہ سے شرپسندوں نے پہلے یہ مطالبہ رکھا کہ کسی بھی مسلمان کو تصدیق کے بغیر دکان ومکان نہ دیا جائے۔پھر اس مطالبے پر آگیے کہ یہاں سے مسلمانوں کو نکال دیا جائے۔اب مطالبے کی بجائے سیدھے سیدھے دھمکیوں اور غنڈہ

گردی پراتر آئے ہیں۔

''دیوبھومی رکشا ابھیان'' نامی تنظیم کی جانب سے پوسٹر لگا کر دھمکی دی گئی ہے کہ جون تک شہر خالی کردیں ورنہ انجام کے ذمہ دار خود ہوں گے۔ دھمکی کے ساتھ ہی مسلمانوں کی دوکانوں پر حملے شروع ہوگیے۔افسوس اس بات کا ہے کہ یہ ساری دھمکیاں، غنڈہ گردی پولیس کی آنکھوں کے سامنے ہورہی تھی لیکن پولیس شرپسندوں کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لے رہی تھی۔ پولیس کے اسی رویے سے شہ پاکر شدت پسندوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ جابجا شرپسندوں کا ہجوم ''جے شری رام'' کے نعروں کے ساتھ مسلمانوں کی دوکانوں پر حملے اور توڑ پھوڑ کررہا ہے۔''پرولہ'' شہر میں مسلمانوں کی قریب ۴۲/دوکانیں ہیں جو ۲۶/مئی ہی سے بند ہیں۔ یہ اقتصادی بائیکاٹ کم نہیں تھا کہ بجرنگ دَل، وشو ہندو پریشد جیسی تنظیموں نے مسلمانوں کو مکمل باہر نکالنے کی مہم چھیڑ دی۔ایسے معاملات میں عموماً سیاسی پارٹیاں قدرے غیر جانب داری سے کام لیتی ہیں لیکن افسوس یہاں ایسا نہیں ہوا، حکمراں پارٹی بی جے پی کے کارکنان پوری طرح شرپسندوں کے ساتھ ہیں۔اسی شہر میں بی جے پی کے مقامی لیڈر محمد زاہد بھی رہتے تھے جو ''بی جے پی مائنارٹی سیل'' ضلع اتر کاشی کے صدر ہیں۔حکمراں پارٹی کا ضلعی عہدے دار ہونے کے باوجود پولیس محمد زاہد تک کو حفاظت نہیں دے پائی اور انہیں بھی ہندو شرپسندوں کے خوف سے اپنا مکان اور دوکان خالی کرکے شہر چھوڑنا پڑا۔محمد زاہد کے مطابق شرپسند ہمیں اعلانیہ قتل کرنے اور ہماری عورتوں کے ساتھ ریپ کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔دوکانیں کھولنے نہیں دی جارہی ہیں اور بند دکانوں پر حملے کیے جارہے ہیں۔انہوں نے بڑے افسوس کے ساتھ بتایا کہ انہوں نے بی جے پی کی اعلیٰ کمان تک سارے حالات پہنچائے اور کہا کہ:

☆ایک لڑکے کی غلطی کی سزا اس کی پوری قوم کو کس لیے دی جارہی ہے؟

☆اگر یہی انصاف ہے تو اس کیس کا دوسرا لڑکا ہندو ہے، اس کی قوم کے خلاف کیوں کچھ نہیں کیا جارہا ہے؟

☆مذکورہ واقعہ میں ایک تیسرا ہندو لڑکا بھی شامل تھا جو آٹو چلا رہا تھا، اسے کس لیے چھوڑا گیا، جب کہ وہ تو مقامی تھا، اس سے کیوں نہیں پوچھا جاتا کہ چند پیسوں کی خاطر وہ اپنی ہی بستی کی بیٹی کو بھگانے میں مدد کیوں کررہا تھا؟

محمد زاہد کا کہنا تھا کہ ہم نے پارٹی کے کئی بڑے لیڈروں کو فون کیا مگر کہیں سے کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا اور اب تو فون اٹھانا بھی بند کردیا ہے اس لیے اب وہ بھاری مَن کے ساتھ شہر چھوڑ کر جارہے ہیں۔پولیس آفیسران سیکورٹی کی بجائے صرف اتنا کہہ کر دامن بچالیتے ہیں کہ ہم نے دوکانیں کھولنے سے منع تھوڑی کیا ہے آپ دکانیں کھولیں۔لیکن یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے، آخر دوکان کس کے بھروسے کھولیں، پولیس کے سامنے ہی دوکانوں پر حملے ہو رہے ہیں، سارے چہرے سامنے ہیں مگر پولیس توڑ پھوڑ کرنے والوں سے کچھ نہیں کہہ رہی ہے، ایسے میں دوکان کھولنا اپنی جان کو جوکھم میں ڈالنا ہے۔

پولیس کی فکر اور فعالیت کا اندازہ اسی سے لگا جاسکتا ہے کہ ابھی تک دھمکی دینے والی تنظیم اور اس کے کارکنان کا پتا تک نہیں لگایا جاسکا، گرفتاری تو بہت دور کی بات ہے۔پولیس عملی طور پر شرپسند تنظیموں کی خاموش حمایت میں ہے اسی بے یقینی کی وجہ سے اب تک

آدھے سے زیادہ کاروباری مسلمان ''پرولہ'' شہر چھوڑ کر جا چکے ہیں۔

کیا کریں مسلمان؟: ویسے تو یہ معاملہ صرف اتراکھنڈ کے ایک چھوٹے سے شہر کا ہے لیکن جس طرح سوشل میڈیا کے ذریعے اس جارحانہ اقدام کی حمایت کی گئی اور مسلمانوں کو بھگانے کی دھمکی کا خیر مقدم کیا گیا، یہ رجحان انتہائی خطرناک ہے، اس طرح تو کسی بھی علاقے میں کسی شخص کی غلطی بتا کر مسلمانوں کے خلاف یہی ماحول بنایا جاسکتا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سپریم کورٹ از خود اس کا نوٹس لیتا اور اتراکھنڈ کی حکومت سے جواب طلب کرتا لیکن ایسا ہوا نہیں، اس لیے ہمیں اس معاملے کو سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے۔ بہتر ہو کہ کوئی ملی تنظیم سپریم کورٹ میں ''پی آئی ایل'' داخل کر کے سپریم کورٹ سے اس معاملے کو دیکھنے کی گزارش کرے تاکہ آئندہ شر پسند اس طرح کی زیادتی کا خیال بھی نہ لاسکیں۔

حیرت ہے!: اتر کاشی پچھلے پندرہ دنوں سے سلگ رہا ہے لیکن صوبے کی اپوزیشن پارٹی کانگریس میں مکمل خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ اسدالدین اویسی صاحب نے اس معاملے کو ''ٹویٹر'' پر اٹھایا جس سے یہ معاملہ سرخیوں میں آیا۔ اس کے بعد اتراکھنڈ وقف بورڈ کے صدر شاداب شمس نے لکسر ایم ایل اے حاجی شہزاد، حج کمیٹی کے صدر خطیب احمد وغیرہ کو لیکر وزیر اعلیٰ ''پشکر دھامی'' سے ملاقات کی اور ان سے حالات سنبھالنے کی گزارش کی۔ حالانکہ وزیر اعلیٰ نے کوئی پختہ یقین دہانی تو نہیں کرائی لیکن اس ملاقات اور اویسی صاحب کی آواز سے بھاجپا پر تھوڑا بہت دباؤ تو بنا ہے۔ اٹھارہ جون کو دہرادون میں ''مسلم سیوا سنستھان'' نامی تنظیم نے مسلم مہا پنچایت کا اعلان کیا جس میں مختلف افراد اور تنظیموں کے ذریعہ اس مسئلے کے متعلق غور وخوض کرنے کی بات کہی۔ کچھ مسلم ایکٹوسٹ نے ٹویٹر پر ''سیو اتر کاشی'' کے نام سے ٹرینڈ بھی چلایا اس سے بھی صوبائی حکومت پر شدت پسندوں پر کاروائی کرنے کا قدرے اخلاقی دباؤ بنا۔ اس سلسلے میں مزید کچھ کام کیے جاسکتے ہیں:

1۔ اتراکھنڈ کے مختلف علاقوں کے مسلمان اپنے اپنے اضلاع میں ڈی ایم کے توسط سے وزیر اعلیٰ کو میمورنڈم بھجوائیں۔

2۔ ہر علاقے کے سنجیدہ مسلمان مقامی بی جے پی لیڈروں خصوصاً بی جے پی مائنارٹی سیل کے لیڈروں پر دباؤ بنائیں کہ وہ اپنی اعلیٰ کمان سے مُسلمانوں کے خلاف حملوں کا نوٹس لینے کی گزارش کریں۔

3۔ سوشل میڈیا کے توسط سے بی جے پی کی مرکزی قیادت سے بھی سوال کیے جائیں کہ ایک طرف وزیر اعظم مسلمانوں کو قریب کرنے کا نعرہ دیتے ہیں تو دوسری جانب بی جے پی کارکنان مسلمانوں کو اپنے ہی وطن میں رہنے اور کاروبار کرنے سے کیوں روک رہے ہیں۔

یاد رہے! سیاست دباؤ کا دوسرا نام ہے اگر سوشل میڈیا اور بی جے پی مائنارٹی سیل کے ذمہ داران پر مناسب انداز میں دباؤ بنایا جائے تو یقیناً کچھ نہ کچھ اثر پڑے گا۔ کیوں کہ لیڈر کو بہرحال عوام کے بیچ رہنا ہوتا ہے اور امیج بنائے رکھنا ہوتی ہے اس لیے جب مقامی لیڈران عوامی مزاج دیکھیں گے تو یقیناً اعلی قیادت سے پر زور مطالبہ کریں گے۔ اسی طرح مرکزی قیادت/ مائنارٹی کے ترجمانوں کو بھی ٹویٹر پر ٹیگ کر کے ان تک صحیح حالات پہنچائیں اور سنجیدگی سے جواب طلبی کریں، یہ چیز بھی انصاف دلانے میں معاون ومفید ثابت ہوگی۔

اسلامی سال نو کا آغاز اور ہمارا رویہ

از۔حافظ افتخار احمد قادری برکاتی

اسلامی ہجری کا آغاز خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت سے ہوا۔ حضرتِ سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فکر لاحق رہتی کہ ہم اپنے معاملات لکھنے میں سن عیسوی کا استعمال کرتے ہیں جبکہ ہمارا اپنا سن اور اپنی تاریخی شناخت ہونی چاہیے۔ لہٰذا آپ نے ایک مجلسِ شوریٰ سے اسلامی سن کے آغاز کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مشورہ پیش کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت سے ابتداء کی جائے۔ کسی نے کہا اعلان نبوت سے اسلامی سن ہجری کا آغاز کیا جائے یہ عظیم اور انقلابی واقعہ ہے اور اسی عظیم واقعہ کے بعد سے مذہب اسلام کی اشاعت وفروغ کا سلسلہ شروع ہوا اور اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ اس رائے کو سب نے پسند فرمایا مگر سال کے بارہ مہینے اور پہلا مہینہ محرم الحرام پہلے سے ہی رائج تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت ماہ ربیع الاول میں فرمائی تھی لہٰذا امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تطبیق پیش فرماتے ہوئے مشورہ دیا: ماہ محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ مقرر کیا جائے اور سن ہجری کا آغاز دو ماہ آٹھ دن پیچھے سے شمار کیا جائے۔ لہٰذا ہجرت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یکم ہجری قرار دیا گیا اور اس کے بعد کے تمام واقعات کو خلیفہ دوم کی عہد خلافت تک مرتب کیا گیا اور اس طرح 20 / جمادی الآخرہ 17 / ہجری مطابق 09 / جولائی 638 / عیسوی سے باقاعدہ طور سے اسلامی سن ہجری کا آغاز ہوا۔ اللہ رب العزت نے جس دن زمین وآسمان کی تخلیق فرمائی تب سے ہی سال کے بارہ مہینے مقرر فرمائے اور ان ماہ میں چار مہینوں کو حرمت وعظمت والا قرار دیا۔ قرآن مجید میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے۔

ترجمہ: بیشک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ ہے اللہ کی کتاب میں، جب سے اس نے آسمان اور زمین بنائے، ان میں چار حرمت والے۔

(پارہ 10 سورہ توبہ، آیت 36)

اس آیتِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ سال کے بارہ مہینوں کا تقرر اللہ رب العزت نے فرمایا ہے اور چار مہینوں کو عظمت و بزرگی عطا فرمائی۔ وہ مقدس عظمت وحرمت والے مہینے یہ ہیں:

پہلا محرم الحرام، دوسرا رجب المرجب، تیسرا ذی القعدہ، اور چوتھا ذی الحجہ ہے۔

امم سابقہ میں بھی یہ مہینے حرمت والے تھے لہٰذا وہ امتیں

بھی ان مہینوں کا احترام کیا کرتی تھیں اور ان حرمت والے مقدس مہینوں میں جنگ وجدال، قتل و غارتگری سے مکمل اجتناب کیا کرتی تھیں۔ مذہب اسلام میں ان مہینوں کی حرمت اور زیادہ ہوگئی۔

حدیثِ پاک کا مفہوم ہے:

ماہ محرم الحرام اللہ رب العزت کے لیے ہے اس مبارک مہینے کی تعظیم کرو۔ جس نے ماہ محرم الحرام کی تعظیم کی تو اللہ رب العزت اسے جنت میں عزت عطا فرمائے گا اور دوزخ سے نجات دے گا''۔

اللہ رب العزت ہمیں اس ماہ مبارک کی قدر کرنے کی اور اس میں خوب خوب عبادت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

ماہ محرم الحرام کا چاند نظر آتے ہی اسلامی نئے سال کا آغاز ہو جاتا ہے اور ہم آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد پیش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ لیکن صرف اتنا ہی نہیں کہ ہم آپس میں مبارک باد دیں بلکہ اس ماہ مبارک کا استقبال تو اس طرح ہونا چاہیے کہ ہم اپنے آپ کا محاسبہ کریں۔ جو سال گذر گیا اس میں ہم سے کیا کیا کوتاہیاں سرزد ہوئیں۔ خاص طور سے اپنے اعمال کا محاسبہ کریں، اس نئے سال کے لیے کچھ عزائم کریں، منصوبہ بندی کریں، شریعتِ اسلامیہ کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی سعی کریں اور مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے کمر بستہ ہو جائیں۔ ان عزائم کے ساتھ اگر ہم ماہ محرم الحرام کا استقبال کریں گے تو ان شاءاللہ تعالیٰ دونوں جہان میں کامیابی وکامرانی میسر آئے گی۔

محرم الحرام کی پہلی شب: ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

''جو شخص ماہ محرم الحرام کی پہلی شب میں شب بیداری کرے اور آٹھ رکعت نفل نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص دس مرتبہ پڑھے تو میں قیامت کے روز اس کی اور اس کے گھر والوں کی شفاعت کروں گی ،اگر چہ اس پر دوزخ کی آگ واجب ہو چکی ہو''۔

''کتاب الاوراد'' میں ہے: جو ماہ محرم الحرام کی پہلی رات میں دو رکعت نماز نفل پڑھے اور سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا ہاتھ اٹھا کر پڑھے:

" اللهم ارحمني وتجاوز عني واحفظني من كل آفة"

وہ تمام سال جملہ آفات وبلیات سے امان میں رہے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جس نے ذی الحجہ کے آخری دن اور ماہ محرم الحرام کے پہلے دن کا روزہ رکھا گویا اس نے گزشتہ سال کو روزوں میں ختم کیا یعنی سال بھر روزہ رکھا، اور آئندہ سال کو بھی روزہ سے شروع کیا۔ اللہ رب العزت اس کے پچاس برس کے گناہوں کا اس روزہ کو کفارہ بنادے گا''۔

ماہ محرم الحرام کا چاند نظر آتے ہی ذکر شہادت کی مجلسیں منعقد ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین واہل بیت اطہار اور دیگر جگر گوشۂ بتول اور امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قربانیوں اور ان کی عظمت ورفعت کا تذکرہ کر کے شمع ایمانی کو تیز کیا جاتا ہے جو یقیناً کار ثواب اور اپنی نسلوں تک پیغامِ اسلام پہچانے کا عظیم ذریعہ ہے۔ ان

مجالس کا انعقاد شریعتِ مطہرہ کے دائرے میں رہتے ہوئے کس طرح کرنا چاہیے اس تعلق سے امام اہلسنت مجدد دین وملت سیدی سرکار اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان اپنے فتویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''جو مجلس ذکر شریف حضرت امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ واہل بیت اکرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ہو جس میں روایات صحیحہ معتبرہ سے ان کے فضائل ومقامات ومدارج بیان کیے جائیں اور امور مخالف شرع سے یکسر پاک ہوں فی نفسہ حسن ومحمود ہیں خواہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم، اگرچہ وہ نظم بوجہ ایک مسدس ہونے کے ذکر میں ذکر حضرت سید الشہداء ہے''۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 24 صفحہ 523)

حضور صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان مجلس محرم سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''عشرہ محرم میں مجلس منعقد کرنا اور واقعات کربلا بیان کرنا جائز ہے جبکہ روایات صحیحہ بیان کی جائیں اور ان واقعات میں صبر وتحمل، رضا وتسلیم کا مکمل درس ہے اور پابندی احکامِ شریعت واتباع سنت کا زبردست عملی ثبوت ہے کہ دین حق کی حفاظت میں تمام اعزاز واقربا ورفقاء اور اپنے کو راہ خدا میں قربان کیا اور جزع وفزع کا نام بھی نہ آنے دیا۔ مگر اس مجلس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی ذکر خیر ہونا چاہیے تا کہ اہلبیت اور اس کے علاوہ کی مجلسوں میں فرق وامتیاز رہے''

(بہار شریعت حصہ 06 صفحہ 247)

قوم مسلم میں تعزیہ داری کی انتہائی غلط وقبیح رسم پروان چڑھ گئی ہے۔ امام اہل سنت سرکارِ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان ''فتاویٰ رضویہ'' میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں:

''آج کی مروجہ تعزیہ داری قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے۔ تعزیہ داری کے سلسلے میں آج کل جو ڈھانچے بنائے جاتے ہیں، ان کے اندر مصنوعی قبر بناتے ہیں، پھر اس پر پھول چڑھاتے ہیں، ان سے منتیں مانگتے ہیں، پھر اسے لے جا کر دفن کر دیتے ہیں، کہیں امام عالی مقام کی سواری بٹھاتے ہیں اور اس کو نعل صاحب کی سواری کہتے ہیں، چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں، منتیں مانگتے ہیں، اس قسم کی بہت سی باتیں کی جاتیں ہیں یہ سب بدعات وخرافات ہیں۔ حضرت امام عالی مقام کے واقعات تو ہمارے لیے نصیحت تھے لیکن افسوس! کہ ہم نے آج کھیل تماشہ بنالیا ہے۔''

امام اہلسنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری فاضلِ بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان نے ماہ محرم الحرام میں کیے جانے والے برے کاموں کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''تعزیہ ممنوع ہے شرع میں اس کی کچھ اصل نہیں اور جو کچھ بدعات ان کے ساتھ کی جاتی ہیں سخت ناجائز ہیں۔ تعزیہ پر مٹھائی چڑھائی جاتی ہے اگرچہ حرام نہیں ہو جاتی مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز کی وقعت بڑھانے اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے لہٰذا نہ کھائی جائے۔ ڈھول بجانا حرام ہے''۔

(فتویٰ رضویہ جلد 8/صفحہ 180)

صدر الشریعہ حضرت علامہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمتہ والرضوان ''بہار شریعت'' میں بڑے مفصل اور واضح انداز میں ان بدعات و

خرافات کی تردید فرماتے ہیں:

”تعزیہ داری کے واقعات کربلا کے سلسلے میں طرح طرح کے ڈھانچے بناتے ہیں اوران کو حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ مبارک کی شبیہ کہتے ہیں، کہیں تخت بنائے جاتے ہیں، کہیں ضریح قبریں بنائی جاتی ہیں اور علم وشدے نکالے جاتے ہیں، ڈھول تاشے اور قسم قسم کے باجے بجائے جاتے ہیں، تعزیوں کا بہت دھوم دھام سے گشت ہوتا ہے، آگے پیچھے ہونے میں جاہلیت کے سے جھگڑے ہوتے ہیں، کبھی درخت کی شاخیں کاٹی جاتی ہیں، کہیں چبوترے کھدوائے جاتے ہیں، تعزیوں سے منتیں مانی جاتی ہیں، سونے چاندی کے علم چڑھائے جاتے ہیں، ہار پھول ناریل چڑھائے جاتے ہیں، وہاں جوتے پہن کر جانے کو گناہ جانتے ہیں، بلکہ اس شدت سے منع کرتے ہیں کہ گناہ پر بھی ایسی ممانعت نہیں کرتے، چھتری لگانے کو بہت برا جانتے ہیں، تعزیوں کے اندر مصنوعی قبریں بناتیں ہیں، ایک پر سبز غلاف اور دوسرے پر سرخ غلاف ڈالتے ہیں، سبز غلاف والے کو حضرتِ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرخ غلاف والے کو حضرتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبریں یا شبیہ بتاتے ہیں اور وہاں شربت مالیدہ وغیرہ پر فاتحہ دلاتے ہیں، یہ تصور کر کے کہ حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضے اور مواجہ اقدس میں فاتحہ دلا رہے ہیں، پھر یہ تعزیے دسویں تاریخ کو مصنوعی کربلا میں لے جا کر دفن کرتے ہیں گویا یہ جنازہ تھا جسے دفن کر آئے، پھر تیجہ دسواں چالیسواں سب کچھ کیا جاتا ہے اور ہر ایک خرافات پر مشتمل ہوتا ہے، اسی سلسلے میں نوحہ و ماتم بھی ہوتا ہے اور سینہ کوبی بھی ہوتی ہے، اتنے زور زور سے سینہ کو کوٹتے ہیں کہ سینے میں خون بہنے لگتا ہے یہ سب ناجائز وخرافات ہیں، تعزیوں کے پاس مرثیہ پڑھا جاتا ہے اور تعزیہ جب گشت کو نکلتا ہے اس وقت بھی اس کے آگے مرثیہ پڑھا جاتا ہے، مرثیہ میں غلط واقعات نظم کیے جاتے ہیں، اہلبیت اکرام کی بے حرمتی اور بے صبری اور جزع وفزع کا ذکر کیا جاتا ہے، کیوں کہ اکثر مرثیے رافضیوں کے ہی ہیں، بعض میں تبراء بھی ہوتا ہے، مگر اس رو میں سنی بھی بے تکلف پڑھ جاتے ہیں اور انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا پڑھ رہے ہیں، یہ سب ناجائز و گناہ کے کام ہیں۔ اظہارِ غم کے لیے سر کے بال بکھیرتے ہیں، کپڑے پھاڑتے ہیں اور سر پر خاک ڈالتے ہیں، یہ سب ناجائز اور جاہلیت کے کام ہیں، ان امور سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں ان سب کاموں کی ممناعت آئی ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ایسے امور سے پرہیز کریں جن سے اللہ رب العزت اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ناراض ہوتے ہیں، کہ یہی نجات کا راستہ ہے“۔ (بہار شریعت/ حصہ 16 /صفحہ 248/ 249)

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے وہ ان تمام بدعات وخرافات سے بچیں اور عوام اہلسنت کو بچائیں۔ دوسرے لوگ اہلبیت پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ تمام خرافات سنیوں کے ہیں حالانکہ کوئی بھی عالم اور کسی بھی کتاب میں ان خرافات کو جائز نہیں کہا گیا بلکہ علمائے اہلسنت نے اس کی جم کر مخالفت فرمائی ہے۔ یہ سب جاہل عوام کے کام ہیں لہٰذا ہمیں ان کی اصلاح کے لیے کمر بستہ ہونا چاہیے اور جو جائز امور ہیں ان کو دل و جان سے کرنا چاہیے۔ اللہ رب العزت ہمیں حق قبول کرنے اور حق پر ثابت رہنے اور حق کو عام کرنے کی توفیق وطاقت عطا فرمائے۔

بھارتی سیاست میں تبدیلی کے آثار

از۔مولانا طارق انور مصباحی (کلکتہ)

مئی ۲۰۱۴ء میں بھاجپا مرکز میں برسر اقتدار آئی اور ملک کی ترقی کے نعروں کے ساتھ حکومت پر قابض ہوئی، لیکن بھاجپا نے اپنے خفیہ ایجنڈوں پر کام کرنا شروع کر دیا اور مسلم ہندومنافرت کا وسیع سلسلہ شروع ہوگیا۔ ملک مسلسل زوال کی طرف بڑھتا گیا، مہنگائی آسمان چھونے لگی، بے روزگاری میں اضافہ ہوتا رہا،لیکن ملکی حالات پر قابو پانے کی کوشش نہ کی گئی، بلکہ بھاجپا محض اپنی حکومت کو بچانے کے لیے قسم قسم کی کوشش کرتی رہی۔ ہندو ووٹوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے واسطے ملک میں مسلم ہندومنافرت کے لیے ماحول سازی کی جاتی رہی۔ ہندو ووٹروں کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے ساتھ دوہرا معیار اپنایا گیا۔فرقہ پرست قوتیں مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھاتی رہیں۔ مسلمانوں کی مساجد، مدارس، مزارات اور مسلمانوں کے مکانات کو کسی نہ کسی بہانے سے مسمار کیا جاتا رہا۔ کچھ حیلہ سازی کر کے مسلمانوں کو جیلوں میں ڈالا جاتا رہا۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔

جمہوریت کی پامالی اور فرقہ پرست قوتیں:

(1) فرقہ پرست قوتیں دستور ہند کے خلاف کام بھی کرتی ہیں اور اپنی کٹ حجتی سے اس کو موافق دستور بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

(2) فرقہ پرست قوتوں اور مین اسٹریم میڈیا نے ملک بھر کے سماج میں نفرت کا زہر گھول دیا ہے۔اس زہر کا تریاق یہی ہے کہ فرقہ پرستوں کو حکومت سے باہر کیا جائے۔

(3) حزب مخالف کی پارٹیاں لوک سبھا الیکشن: 2024 کے لیے اتحاد کی کوشش کر رہی ہیں۔ اگر کامیابی ملتی ہے تو ملک کا ماحول ضرور بدل جانے کی امید ہے۔

بھارتی میڈیا کی کہانی حقائق کی زبانی:

عہد حاضر میں فرقہ پرست پارٹیوں کے ارکان وکارکنان اور مین اسٹریم میڈیا کے اینکرس کذب وافترا کی آخری منزل سے بھی پار جا چکے ہیں۔ یہ لوگ مسلسل کذب بیانی اور افترا پردازی کرتے ہیں۔ یہ لوگ فرقہ پرستوں کے علاوہ دیگر تمام لوگوں کے خلاف زہر افشانی کرتے رہتے ہیں۔خواہ وہ کسی دھرم اور کسی بھی ذات کے ہوں۔ غیر بھاجپائی لیڈر اگر برہمن بھی ہو تو اس پر یہ لوگ بھونکتے ہیں۔اسی طرح غیر بھاجپائی ہنود کے خلاف بھی زہر اگلتے ہیں۔الغرض جو بھاجپا سے منسلک نہیں ہیں،خواہ وہ کوئی بھی ہو،موقع ملنے پر اس کے خلاف ماحول سازی کرتے رہتے ہیں۔

حزب مخالف کے لیڈروں پر ای ڈی اور سی بی آئی کی کاروائی بھی اسی فکر کا نتیجہ ہے۔ پولیس محکمہ و دیگر محکموں میں بھی عصبیت کے جراثیم حملہ کر چکے ہیں۔غیرت وحیا اور شرافت و

انسانیت بھی غائب ہو چکی ہے۔ یہ لوگ انتہائی بے حیائی کے ساتھ دوسروں کی کردار کشی کرتے ہیں۔ مین اسٹریم میڈیا کے اینکرس اور فرقہ پرست لیڈروں کی باتیں سنیں، سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔قوم مسلم اور دلت وغیرہ تو ان لوگوں کے آسان شکار ہیں۔ہم نے اپنی عملی زندگی میں بھی ایسے بعض جھوٹے لوگوں کو دیکھا ہے،لیکن مین اسٹریم میڈیا کے اکثر افراد جھوٹے نظر آتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ایسے شریروں سے سب کو محفوظ فرمائے۔آمین

بھاجپا کے خطرناک منصوبے:

(1) کرناٹک اسمبلی الیکشن 2023 میں بھاجپا کو اپنی شکست کا احساس ہونے لگا تو اس کے پیش نظر اہل کرناٹک کو کچھ پیشین گوئی بھی سنائی جانے لگی۔امت شاہ نے کہا تھا کہ اگر کرناٹک میں کانگریس کی حکومت بنتی ہے تو ریاست میں فسادات ہوں گے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بھاجپا اور اس کی حمایتی فرقہ پرست قوتیں کرناٹک میں فسادات پھیلائیں گی اور یہ ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے کہ فرقہ پرست قوتیں ہی ملک میں فسادات پھیلاتی ہیں۔

(2) کرناٹک میں کمزور مسلمانوں کے لیے چار فی صد ریزرویشن تھا۔ بھاجپا نے اسے ختم کر دیا۔تلنگانہ میں امت شاہ نے کہا کہ اگر تلنگانہ میں بھاجپا کی حکومت بن جائے تو مسلمانوں کا ریزرویشن ختم کر دیا جائے گا۔تلنگانہ میں بھی مسلمانوں کے لیے چار فی صد ریزرویشن ہے۔ملک کی ترقی کے لئے ہر قوم کو ترقی یافتہ ہونا چاہیے۔مسلمانوں کا ریزرویشن ختم کرنے سے بھارت کی ایک قوم مزید کمزور ہوگی جس سے ملک کمزور ہوگا۔لیکن بھاجپا کو ملک کی ترقی نہیں چاہیے، بلکہ قوم ہنود کو خوش کر کے ان کے ووٹ بٹورنا اور ملک پر حکمرانی کرنا مقصود ہے۔ یہ لوگ ملک کی ترقی کے خواہش مند نہیں۔

بھارتی ماحول میں تبدیلیوں کے آثار:

(1) بھارت میں فرقہ پرست قوتوں اور بھاجپائی میڈیا نے ایسا ماحول بنا دیا تھا کہ سیاسی پارٹیاں اور سیاسی لیڈران مسلمانوں کا نام لینے سے گھبراتے تھے۔

(2) چند ماہ قبل راہل گاندھی نے ''بھارت جوڑو یاترا'' نکالی اس یاترا میں راہل نے آر ایس ایس کی آئیڈیالوجی پر سخت تنقید کی اور یاترا میں مسلمانوں کو شریک کیا۔اس کے بعد عوامی ماحول میں کچھ تبدیلی نظر آنے لگی۔

(3) امسال بہار کے وزیر اعلیٰ نتیش کمار اور نائب وزیر اعلی تیجسوی یادو نے رمضان میں مسلمانوں کے لئے افطار پارٹی کا انتظام کیا اور دونوں نے مسلمانوں کی ٹوپی بھی پہنی۔اس سے فرقہ پرستوں کا پھیلایا ہوا بھرم ٹوٹنے لگا، حالاں کہ اس سے قبل سیاسی پارٹیاں عوامی مجلسوں میں مسلمانوں کا نام لینے سے بھی گھبراتی تھیں۔

(4) حالیہ کرناٹک اسمبلی الیکشن 2023 کے لیے کانگریس نے اپنے مینوفیسٹو میں ذکر کیا کہ اگر کانگریس کی حکومت بنتی ہے تو وہ بجرنگ دل اور اس جیسی نفرت پھیلانے والی جماعتوں پر پابندی لگائے گی۔ان امور سے یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ بھارت میں جمہوریت زندہ ہے، ورنہ فرقہ پرستوں نے اپنے طور پر ملک کو ہندو راشٹر بنا دیا ہے۔

ملک کا بدلتا ماحول اور سیاسی پارٹیاں:

کرناٹک اسمبلی الیکشن 2023 میں کانگریس کی جیت ہوتے ہی ملک کا سیاسی ماحول بدلنے لگا ہے۔اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر لوک سبھا الیکشن 2024 میں حزب مخالف کی پارٹیوں کو فتح یابی ملتی ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ملک کا ماحول یکسر بدل جائے گا اور پھر بی جے پی ایک طویل مدت تک منظر نامہ سے غائب رہے گی۔

کرناٹک کی نو منتخب کانگریسی حکومت نے پولیس کے اعلیٰ افسران کے ساتھ میٹنگ کی اور پولیس افسروں کو بتایا گیا کہ پولیس محکمہ کا بھگوا کرن ہم پسند نہیں کرتے۔

بعض سیاسی پارٹیاں تیسرے محاذ کی کوشش کر رہی تھیں۔ اس سے کچھ فائدہ ہونے کی امید نہیں تھی،لہٰذا وہ لوگ بھی اپنے ایجنڈے سے پیچھے ہٹ گئے۔نتیش کمار نے حزب مخالف کے اتحاد کا جو فارمولہ پیش کیا ہے۔وہ نتیجہ بخش فارمولہ ہے۔

سنی وشیعہ یا سنی و دیوبندی اتحاد سے کوئی خاص سیاسی فائدہ ہونے کی امید نہیں، بلکہ مذہبی دائرہ میں نقصان ہوگا۔صلح کلیت ملک بھر کو اپنے دام فریب میں پھنسا لے گی۔اہل سنت و جماعت اپنے طور پر جو کچھ کر سکتے ہیں،وہ کرتے رہیں۔مسلمانوں کے ملی مسائل پر توجہ دیں۔سیاسی محاذ آرائی سیاسی جماعتیں کر سکتی ہیں۔

یہ بات بھی ملک بھر میں گردش کر رہی ہے کہ کانگریس کے بغیر بھاجپا کو مرکز سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ان معاملات میں جب دیگر سیاسی جماعتیں بے دست و پا نظر آتی ہیں تو کلمہ گو طبقات کے اتحاد سے کون سا محاذ سر کیا جا سکتا ہے۔

پٹنہ میں حزب مخالف کی پارٹیوں کا اجلاس:

۲۳/جون ۲۰۲۳ء کو پٹنہ میں حزب مخالف کی سیاسی پارٹیوں کی متحدہ میٹنگ تھی۔ اس میں حزب مخالف کی اکثر بڑی پارٹیوں کے لیڈر شریک ہوئے۔ یہ پہلی میٹنگ تھی۔حزب مخالف کی پارٹیاں یہ منصوبہ بندی کر رہی ہیں کہ لوک سبھا الیکشن:۲۰۲۴ء میں بھاجپائی امیدوار کے مقابل حزب مخالف کا ایک امیدوار ہونا چاہئے، تا کہ ووٹ منتشر نہ ہو۔

لوک سبھا الیکشن ۲۰۱۹ء میں بھاجپا کو صرف ۳۷/فی صد ووٹ ملے تھے اور بھاجپا کے امیدوار جیت گئے، جب کہ حزب مخالف کی پارٹیوں کو ۶۳/فی صد ووٹ ملے،لیکن ووٹ منتشر ہونے کے سبب حزب مخالف کی پارٹیوں کے امیدوار ہار گئے۔

۱۲/جولائی ۲۰۲۳ء کو شملہ میں حزب مخالف کی پارٹیوں کی دوسری میٹنگ ہوگی جس میں اتحادی فارمولہ پر بحث ہوگی۔ رفتہ رفتہ ملک کا سیاسی ماحول بدلتا جا رہا ہے۔ چند ماہ بعد متحدہ محاذ کی قوت اور سیاسی تبدیلیوں کے مزید آثار ظاہر ہونے کی امید ہے، کیوں کہ لوک سبھا الیکشن ۲۰۲۴ء کے لیے چند ماہ ہی باقی ہیں۔مارچ،اپریل ۲۰۲۴ء میں لوک سبھا الیکشن ہونا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے کچھ پہلے ہی لوک سبھا الیکشن ہو جائے۔ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

☆

(قسط اول)

بھارتی مسلمانوں کا ۷۵/سالہ دردناک سفر

از۔مولانا محمد زاہد علی مرکزی، چیئرمین تحریک علمائے بندیل کھنڈ، رکن روشن مستقبل دہلی

انڈیا میں فسادات ایک ایسی حقیقت ہیں جن سے انکار کی گنجائش نہیں، اس کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا ہے کہ آپ کتنے بھی اعلیٰ عہدے پر فائز ہوں آپ کو اپنی دیش بھکتی بار بار ثابت کرنی ہی پڑتی ہے، مزید یہ بھی کہنا ضروری ہوتا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں سے انڈیا کے مسلمان زیادہ خوش ہیں (کتنے خوش ہیں یہ مضمون میں دیکھیں گے) اس کے لیے حکومت نے غیر معلنہ ایک شعبہ تشکیل دے رکھا ہے جس میں گورنمنٹی علماء کو صرف اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم پر ہونے والے مظالم اور ناانصافیوں پر اٹھنے والے شور کو عالمی سطح پر دبا سکیں، نیز بین الاقوامی سطح پر حکومت کو شرمندگی اور پابندی جیسی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

ہم انڈین مسلمانوں کے اس سفر کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے، پہلے حصے میں میں آزادی کے بعد 50 سالوں میں ہونے والے خطرناک فسادات کا ذکر کریں گے، جب کہ دوسرے حصے میں اکیسویں صدی کے بھارت کو الگ پیش کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ یہ بھی واضح ہو جائے کہ انڈین حکومت اور اکثریتی طبقہ دنیا کے ساتھ شانہ بشانہ چلنا چاہ رہا ہے یا پھر پیچھے جا کر خوں ریزی اور ناانصافی کی وہ حدود تیار کر رہا ہے جسے دیکھ کر ہٹلر، مسولینی اور منگول بھی شرما جائیں۔ بطور خلاصہ اخیر میں ایک تجزیہ پیش کریں گے اور فیصلہ قارئین کرام پر ہوگا کہ آپ کو کیا کرنا ہے۔

انڈیا میں مسلمان کتنے خوش ہیں اس کا اندازہ آپ کو بارہا ہوتا رہتا ہوگا لیکن ہم اعداد و شمار کے ذریعے کچھ مزید مثالیں پیش کرنا چاہیں گے، فسادات کے متعلق ویسے تو بہت کچھ شائع ہوا ہے اور اس سے کئی گنا چھپا دیا گیا ہے، لیکن جتنا دکھتا ہے کسی ملک کو آگے نہ بڑھ پانے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، شاید انڈیا کے بااثر لیڈروں نے کبھی ملک کی ترقی کی طرف توجہ دی ہی نہیں، بلکہ فسادات کرانے اور پھر فسادات کے نام پر ملک کو گڑھے میں گرانے کا ہی کام کیا ہے، لوگوں کے درمیان منافرت انھیں فسادات کا نتیجہ ہے جو اب خطرناک حد تک پہنچ چکی ہے۔ دو انگریز محققین کی یہ رپورٹ دیکھئے جو انھوں نے 2012 میں عام کی تھی۔

We are in 1986, almost forty years after Independence and the traumatizing Hindu–Muslim :events of Partition relations in India are fraught with many difficulties. The communal divide, as it is called, is still salient, and religious riots have become a distinctive feature of Indian social life. Starting in 1961, the country has witnessed a number of

dramatic events occurred :severe riots in Calcutta, Rourkela, and Jamshedpur following the theft of a relic hair of the . The (1964)Prophet in Kashmir country then witnessed a large pogrom against Muslims in Ahmedabad (1970)ghastly riots in Bhiwandi ;(1969) repeated ;(1979)and Jamshedpur unbridled incidents in Hyderabad; and (1980)violence in Moradabad huge massacres in ;(1981)Biharsharif and terrible riots in ;(1983)Nellie for a)(1984)Bombay–Bhiwandi detailed account of this period, as well as a general introduction to India and its various communities, see «Hindu–Muslim Communal Riots in by Violette Graff »(1947–1986) India I (and Juliette Galonnier 2012.

وایلیٹ گراف اور جولیٹ گیلونیر (2012) اپنی تحقیقی رپورٹ ''ہندوستان میں ہندو مسلم فرقہ وارانہ فسادات (1947 - 1986)میں لکھتے ہیں" ہم 1986 میں ہیں، آزادی کے تقریباً چالیس سال بعد اور تقسیم کے تکلیف دہ مناظر اب بھی تکلیف دیتے ہیں، ہندوستان میں ہندو مسلم تعلقات بہت سی مشکلات سے بھرے ہوئے ہیں۔ فرقہ وارانہ تقسیم، جیسا کہ اسے کہا جاتا ہے اب بھی نمایاں ہے،اور مذہبی فسادات ہندوستانی سماجی زندگی کی ایک مخصوص خصوصیت بن چکے ہیں۔ 1961 سے ملک نے کئی شدید فسادات دیکھے ہیں: کشمیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقیات کی چوری کے بعد کلکتہ، رورکیلا اور جمشید پور میں ڈرامائی واقعات رونما ہوئے۔ اس کے بعد ملک نے احمد آباد (1969) میں مسلمانوں کے خلاف ایک بڑی تباہی (نسل کشی) دیکھی۔ بھیونڈی (1970) اور جمشید پور (1979) میں خوفناک فسادات نیز حیدر آباد میں بار بار فسادات ہوے، مراد آباد (1980) اور بہار شریف (1981) میں بے لگام تشدد، نیلی (آسام) میں بڑا قتل عام (1983) اور بمبئی کے بھیونڈی (1984) میں خوفناک فسادات رونما ہوے۔

اس رپورٹ میں ذکر کیے گئے فسادات پر ہم کچھ روشنی ڈالتے چلیں گے تاکہ فسادات کو اچھی طرح سے سمجھا جا سکے اور سیاسی پارٹیوں کی مسلمانوں سے محبت بھی آپ دیکھ سکیں۔

۴رفروری ۱۹۶۱ء جبل پور (مدھیہ پردیش):

(آبادی کی مذہبی ساخت 2001 کی مردم شماری کے مطابق 80% ہندو، 14% مسلمان۔ مدھیہ پردیش کے وزیر اعلی: کے، این کاٹجو، کانگریس پارٹی، جنوری 1957 - مارچ 1962ء)

تقسیم ہند کے بعد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پہلا بڑے پیمانے پر فساد ریاست مدھیہ پردیش کے شہر جبل پور میں ہوا۔ اس فساد کا تعلق کامیاب مسلم کاروباریوں کے ایک چھوٹے سے طبقے

کے ابھرنے سے تھا جس نے ہندو اور مسلم برادریوں کے درمیان ایک نئی معاشی دشمنی پیدا کی۔ اس فساد کے متعلق دو قسم کی آرا پائی جاتی ہیں۔

(1) جسٹس شیو دیال شریواستو کمیشن آف انکوائری کی رپورٹ کے مطابق 3 فروری کو دو مسلم نوجوانوں کے ذریعہ عصمت دری کے بعد ایک نوجوان ہندو لڑکی کی خودکشی نے فرقہ وارانہ کشیدگی کو جنم دیا۔ اے بی وی پی (اکھل بھارتیہ ودیارتھی نے، آل انڈیا اسٹوڈنٹس فورم، ہندو قوم پرست طلبہ یونین) کی حمایت کے ساتھ، طلبہ نے عصمت دری کی مذمت کے لیے 4 فروری کو ایک پرامن جلوس نکالا۔ پریشانی اس وقت شروع ہوئی جب ان میں سے کچھ لوگ انجمن اسلامیہ اسکول کے قریب رک گئے اور مسلمان طلبہ کو جلوس میں شامل ہونے پر مجبور کرنے لگے۔ چونکہ جلوس بنیادی طور پر ہندو تھا اور اسکول کے طلبہ زیادہ تر مسلمان تھے، اس لیے اس واقعے نے فرقہ وارانہ جذبات کو جنم دیا۔

(2) کچھ رپورٹوں میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ فساد بولی کی صنعت کے ایک نامور ہندو تاجر (چھوٹے سگریٹ) کی بیٹی کے اپنے مسلم حریف کے بیٹے کے ساتھ فرار ہونے سے ہوا تھا۔ ہندو پریس نے فرار کو عصمت دری کی کوشش قرار دیا۔ بولی کی صنعت میں ہندو مسلم دشمنی نے صورتحال کو اور زیادہ پولرائز کر دیا۔ صورتحال پر قابو پانے کے لیے 5 فروری کو فوج طلب کی گئی۔ لیکن یہ 7 فروری کو روانہ ہوئی، ہندو کارکنوں نے حملہ کیا اور مسلمانوں کی املاک کو لوٹ لیا (ہندو گھروں کو بچاتے ہوئے)۔ گورنمنٹی رپورٹس کے مطابق پچپن لوگوں کی موت ہوئی، لیکن غیر گورنمنٹی رپورٹس کے مطابق مرنے والوں کی تعداد 200 سے زیادہ ہے۔ تشدد نے آس پاس کے دیہاتوں میں 8 اور 9 فروری کو ساگر میں چھ اور نرسمہا پور میں 8 فروری کو دو اموات ہوئیں۔

۳/ اکتوبر ۱۹۶۱ء: علی گڑھ (اتر پردیش):

(57% ہندو، 41% مسلمان۔ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ: سی بی گپتا، پارٹی کانگریس۔ مدت حکومت دسمبر 1960 تا اکتوبر 1963)

جبل پور فسادات کے بعد، 1962 کے عام انتخابات سے عین قبل علی گڑھ (اتر پردیش) میں بھی تشدد بھڑک اٹھا۔ یہ شہر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (اے ایم یو) کے لیے مشہور ہے، اکتوبر 1961 کے طلبہ یونین کے انتخابات کے دوران ایک بھی ہندو طالب علم منتخب نہیں ہوا۔ مسلم طلبہ نے اپنی فتح کا جلوس نکالا، جس میں بی جے ایس (بھارتیہ جن سنگھ، انڈین پیپلز الائنس) اور اے بی وی پی کے کارکنوں نے جوابی مظاہرے کیے۔ اس کے بعد یونیورسٹی کے ہاسٹل میں مسلم اور ہندو طلبہ کے درمیان تصادم ہوا۔ 3 اکتوبر کو کیمپس میں ایک ہندو طالب علم کی ہلاکت کی افواہ نے شہر میں تشدد کو جنم دیا۔ شہر کے ہندو کالجوں کے طلبہ نے یونیورسٹی کے ملازمین پر حملہ کیا۔ فسادات میں 14 افراد ہلاک ہوئے جن میں زیادہ تر مسلمان تھے۔

۵ تا ۱۸ اکتوبر ۱۹۶۱ء میرٹھ (اتر پردیش):

(61% ہندو، 36% مسلمان۔ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ: سی بی گپتا، پارٹی کانگریس۔ مدت حکومت: دسمبر 1960 تا اکتوبر 1963)

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جھڑپوں کے دوران میرٹھ (اتر پردیش) میں بھی فساد شروع ہو گیا، یہاں بھی ایک غیر مسلم کی

پٹائی کے بعد معاملہ گرما گیا، غیر مسلموں نے جلوس نکالا، انتظامیہ کے اہم ارکان بھیڑ میں موجود تھے لیکن انہوں نے کچھ نہ کیا۔ اگلے دن، ایک اور بھی بڑا ہندو جلوس اکٹھا ہوا، جس نے مسلمانوں کے علاقے میں داخل ہونے کی دھمکی دی۔ مسلم بھی اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ پولیس نے دونوں طرف کے ہجوم کو منتشر کرنے کے بجائے مسلمانوں کے ہجوم پر لاٹھی چارج کر دی۔ جس کے نتیجے میں شہر کے کئی علاقوں میں ہنگامہ آرائی شروع ہوگئی۔ تشدد کئی دنوں تک جاری رہا، جس میں 13 سے 17 افراد کی جانیں گئیں۔

اب ہم یہاں اکٹھا تین فسادات کا ذکر کرتے ہیں، اہم بات یہ ہے کہ ہر پتھر کے نیچے اور ہر پتّے کے پیچھے کانگریس ہی نکلتی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(1) 1964: مارچ: کلکتہ (مغربی بنگال)، جمشید پور (بہار)، رورکیلا (اڑیسہ)

کلکتہ: 78% ہندو، 20% مسلمان۔

مغربی بنگال کے وزیر اعلی: پی چندرسین، پارٹی ایک بار پھر کانگریس۔

مدت حکومت: جولائی 1962 تا مارچ 1967۔

(2) جمشید پور: 81% ہندو، 9% مسلمان۔

بہار کے وزیر اعلی: کے بی سہائے، پارٹی کانگریس۔

مدت حکومت: اکتوبر 1963 تا مارچ 1967۔

(3) اڑیسہ (رورکیلا) 84% ہندو، 9% مسلمان۔

وزیر اعلی: برین مترا، پارٹی کانگریس۔

مدت حکومت: اکتوبر 1963 تا فروری 1965۔

کلکتہ میں 10 جنوری کو مشکلات شروع ہوئیں۔ 11 جنوری کو فوج بلائی گئی اور 18 جنوری کو روانہ ہوئی۔ 19 جنوری تک کے عرصے میں، جیورسٹ کمیشن نے 104 افراد کی ہلاکت کی اطلاع دی، جن میں سے 39 پولیس کی فائرنگ سے مارے گئے۔ دوسری رپورٹس میں مرنے والوں کی تعداد 400 بتائی گئی ہے۔ 16 مارچ کو ''پاکستان بچاؤ اقلیتی کمیٹی'' کے زیر اہتمام ہڑتال (عام ہڑتال) ہونے سے ایک دن پہلے، ایک سو مسلم ٹیکسٹائل کارکنوں کے ایک گروپ پر حملہ کیا گیا۔ ان میں سے تیرہ جان کی بازی ہار گئے۔ (یہ فسادات کشمیر کے حضرت بل میں رکھے آقا علیہ السلام کے موئے مبارک کی چوری سے شروع ہوئے، انڈیا، پاکستان، مشرقی پاکستان یعنی موجودہ بنگلہ دیش میں بھی تشدد دیکھا گیا)۔

جمشید پور میں 19 مارچ کو تشدد بھڑک اٹھا۔ 21 مارچ کو فوج کو طلب کرنا پڑا۔ سرکاری طور پر مرنے والوں کی تعداد 51 بتائی گئی لیکن اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

رورکیلا میں، فسادات 16 مارچ کو شروع ہوئے جب وہاں کے باشندوں نے ایک خصوصی ٹرین میں سفر کرنے والے ہندو پناہ گزینوں کو کھانا کھلانے کی کوشش کی جو قصبے میں رکی تھی۔ فسادات اس وقت شروع ہوئے جب ایک ہندو پناہ گزین نے مبینہ طور پر ایک مسلمان نانبائی کی طرف سے پیش کی گئی روٹی کھانے کے بعد قے کی۔ افواہ پھیل گئی کہ مسلمان ہندو پناہ گزینوں کو زہر دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن سے لے کر قصبے کی مختلف کچی آبادیوں اور ملحقہ دیہاتوں تک تشدد پھیل گیا۔ ہندو ہجوم (بنیادی طور پر پنجابی، بنگالی اور اُڑیا) مسلمانوں کے قتل میں مقامی آدیواسیوں (قبائل) کے ساتھ شامل ہوئے۔ گورنمنٹ رپورٹوں میں مرنے والوں

کی تعداد 53 بتائی گئی ہے (جیورسٹ کمیشن نے 70 اموات کی اطلاع دی ہے) لیکن ایس کے گوش کے مطابق، جو اس وقت اڑیسہ کے ایڈیشنل انسپکٹر جنرل آف پولیس تھے، صرف رورکیلا تشدد، جو کہ 15 دن تک جاری رہا، میں دعویٰ کیا کہ دو ہزار اموات ہوئیں جس میں زیادہ تر مسلمان تھے۔ دیگر رپورٹ کردہ اعداد و شمار، کچھ کم و بیش مجموعی طور پر پانچ ہزار اموات کو بتاتے ہیں۔ جب کہ گورنمنٹ ریکارڈ کا تخمینہ ہے کہ تشدد نے تین قصبوں کلکتہ، رورکیلا اور جمشید پور میں 134 افراد کی جانیں لی تھیں۔ اصل میں مرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ واقعات کے اس المناک سلسلے نے بھارت اور پاکستان کے وزرائے داخلہ کو نظم و ضبط کی بحالی کے لیے اپریل 1964 کو دہلی میں ملاقات کرنے پر مجبور کر دیا۔

Feldman 1969 :149

Schermerhon 1976 : 5

Saxena 1984 : 53

Ghosh 1987 : 210–212

Bernard 1994 : 188–189

Chatterji 1995 :18–21

Parry and Struempell 2008

Al -Huda 2009

مذکورہ فسادات کی رپورٹس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کانگریس نے کبھی بھی فسادات کو جڑ سے ختم کرنے کے متعلق نہیں سوچا، اور نا ہی اس مسئلے کو کبھی سنجیدگی سے لیا، نتیجہ مسلمان جانی مالی نقصانات سے آج تک ابھر نہ سکا، جب بھی مسلمان معاشی طور پر کچھ ترقی کرتے ہیں اسی وقت ایسے شہروں کو ٹارگیٹ کر کے فسادات کرائے جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ سالوں چل کر جہاں پہنچے تھے فسادات کے بعد پھر وہیں کھڑے ہوتے ہیں، فسادات ذہنی مفلوجگی بھی ساتھ لاتے ہیں اور انسان کو معمول پر آنے میں برسوں لگ جاتے ہیں، حقیقی درد و کرب تو موت کے ساتھ ہی جاتا ہے۔ نہ فسادات میں ملوث افراد کو جیل ہوتی ہے اور نا ہی ان کا کچھ نقصان ہوتا ہے پھر فسادات کیوں بند ہونے لگے؟

ایک بار جو لوگ آبروریزی کرتے ہیں وہ ہر وقت ایسی خواہشات کے متمنی رہتے ہیں تاکہ ان کے نفس کی تسکین ہو سکے، دنگوں میں شامل ہونے والے افراد کی اکثریت آبروریزی اور مفت مال کی لالچی ہوتی ہے۔

رام نومی سے فسادات کا پرانا رشتہ ہے:

30 مارچ 2023 کو رام نومی کے موقع پر بہار میں جو کچھ ہوا یہ کوئی نیا حادثہ نہیں ہے، بہار کا اس تہوار اور تشدد دونوں سے پرانا رشتہ ہے، رواں سال جو کچھ ہوا وہ گزشتہ سے پیوستہ کی ایک کڑی سمجھیے اور آگے بڑھیے، امسال ایک سو سالہ قدیم مدرسے کو مکمل طور پر آگ کے حوالے کیا گیا، ایک سو دس سال پرانی لائبریری میں رکھیں ہزاروں کتابیں اور قرآن مقدس کے سیکڑوں نسخے نذر آتش کر دیے گئے، وہیں مساجد اور مسلمانوں کی املاک کو بھی نشانہ بنایا گیا، گزشتہ سال بھی قریب ایک سو سے زائد دو کانوں کو اسی موقع پر نذر آتش کیا گیا تھا، بی بی سی کی یہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

”30 مارچ یعنی رام نومی (ہندو دیوتا رام کی پیدائش کا جشن) کے

روز کی ایک وائرل فوٹیج میں حیدرآباد میں کپڑوں سے ڈھکی ایک مسجد کو دیکھا جاسکتا ہے جس کے مینار شام میں سبز رنگ میں روشن نظر آرہے ہیں۔اس میں دیکھا جاسکتا ہے کہ زعفرانی جھنڈے والا ایک جلوس اس مسجد کے سامنے آکر رکتا ہے اوراونچی گاڑی میں سوار ایک شخص تقریر شروع کر دیتا ہے۔تقریر کرنے والا شخص بی جے پی کا معطل رکن ٹی راجہ سنگھ ہے۔وہ کہتا ہے کہ ’ایک دھکہ لگا تھا، آج ایودھیا میں رام مندر بن رہا ہے۔آنے والے وقت میں ایک اور دھکہ لگے گا اور متھرا میں ایک اور عالیشان مندر تعمیر ہوگا۔ایک اور دھکہ لگے گا اور کاشی (بنارس) میں بھی ایک مندر بنے گا۔حمایت میں نعرے لگانے والے ہجوم کے ہنگامے کے درمیان وہ مزید کہتا ہے کہ سننے والو! کان کھول کر سن لو۔راجہ سنگھ کسی کے باپ سے ڈرنے والا نہیں ہے‘‘۔(بی بی سی)

بہار اور حیدرآباد دونوں صوبوں میں سیکولر کہلانے والی جماعتیں برسر اقتدار ہیں ایسے میں مساجد کو ڈھکنا اور مدارس کو جلانا، ان سیکولر حکومتوں کی قلعی کھول جاتا ہے۔بہار کے مقامی افراد کا کہنا ہے کہ پولیس چپ چاپ سب دیکھتی رہی،اور دنگائی اپنی من مانی کرتے رہے،اب ایک سیکولر کہلائی جانے والی حکومت اتنی بے بس تھی کہ پولیس محکمہ ان کی سننے کو ہی تیار نہیں؟ کیا ایسا ممکن ہے؟ ہرگز نہیں! لیکن فسادات کے بعد حکومت ملزمین کو پکڑنے کی بجائے ان فسادات کا ذمہ دار بی جے پی کو ٹھہرا رہی ہے۔حکومت کو یاد رکھنا چاہیے کہ اپنی ذمہ داری سے بھاگ کر دوسرے کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاتا۔

نہ ادھر ادھر کی تو بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں تری رہبری کا سوال ہے

مسلمانوں کو سیکولر حکومتوں نے ایسا بے حس کر دیا ہے کہ وہ اتنا سب ہونے کے باوجود حکومت سے سوال نہ کر کے حکومت کے اٹھائے گیے سوالات پر خوش ہو رہے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ اب تو اس قوم کے لیڈران کو غلامی میں ہی سارا مزہ آتا ہے، ایسے وقت میں جہاں حکومت سے سوال پوچھنا چاہیے وہاں ہمارے لوگ افطار پارٹی کر کے حکومت کے تلوے چاٹ رہے ہیں۔

بہار کی سیکولر، مسلم حمایتی، بی جے پی مخالف حکومت میں غالبا 19 مسلم ودھایک ہیں لیکن وہ حکومت کے سامنے ایسے دَبے، لُچے ہیں گویا منھ میں زباں نہیں اور جسم میں جاں نہیں، مجلس اتحاد المسلمین کے ایک ودھایک نے سڑک سے سدن تک آواز اٹھائی کاش مسلم اپنی قیادت کو سمجھیں اور آنے والے دنوں میں قیادت پر بھی توجہ دیں۔

رام نومی کے جلوس کو تھوڑا اور پیچھے لے چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ ہنگامے حالیہ برسوں کے ہیں یا پھر ان سے پرانے رشتے بھی ہیں۔

22 تا 29 اگست 1967: رانچی (بہار)

63% ہندو، 17% مسلمان

وزیر اعلیٰ بہار: مہامایا پی ڈی سنہا، پارٹی ’’جن کرانتی دل‘‘۔مدت حکومت: مارچ 1967-جنوری 1968۔

ہٹیا اور رانچی (بہار) کے قصبوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تنازعات پھوٹ پڑے۔1964 میں مشرقی پاکستان (جواب بنگلہ دیش ہے) میں ہندو مخالف تشدد کے بعد ضلع میں پہلے ہی فسادات ہو چکے تھے۔رگھوبر دیال کمیشن آف انکوائری کی رپورٹ کے مطابق فرقہ وارانہ کشیدگی (ہندو رام نومی تہوار کی وجہ

سے ہوئی) اپریل 1964 سے شروع ہوئی۔ 1965 کے پاکستان کے ساتھ تنازع نے بھی ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں شکوک وشبہات کو تقویت دی۔ مارچ 1967 کے عام انتخابات کے دوران، اردو کے مسئلے (جو زبان عام طور پر مسلمان بولتے ہیں) پر بحث کی وجہ سے صورتحال مزید بگڑ گئی۔ اردو کو بہار کی دوسری گورنمنٹی زبان قرار دینے کی تجویز نے حکمران اتحاد کو کمزور کر دیا اور بی جے ایس، آر ایس ایس اور بہار ہندی ساہتیہ سمیلن نامی تنظیم کی جانب سے ریاست گیر، اردو مخالف مظاہرے شروع ہوئے۔ رانچی میں 22 اگست کو مسلم آزاد ہائی اسکول کے قریب اردو زبان کی مخالفت میں نکلنے والے جلوس سے معاملہ مزید بگڑ گیا۔ جلوس میں شامل افراد نے اسکول پر حملہ کیا اور جوابی کارروائی میں ایک ہندو مارا گیا۔ رگھوبر دیال کمیشن آف انکوائری نے رانچی میں 184 اموات کی اطلاع دی۔ ان میں 164 مسلمان اور 19 ہندو تھے۔ قریبی علاقوں میں بھی تشدد پھیل گیا، جس کے نتیجے میں آتشزدگی، لوٹ مار اور بڑے پیمانے پر فسادات شہر کے ساتھ ساتھ قریبی صنعتی شہروں، خاص طور پر ہٹیا میں ہوئے، جہاں 26 افراد ہلاک ہوئے، مرنے والوں میں 25 مسلمان اور ایک ہندو تھا۔

مارچ 1968 کریم گنج (آسام)

47% ہندو، 52% مسلمان

آسام کے وزیر اعلیٰ: بی پی چلیہا، پارٹی کانگریس۔ مدت حکومت: دسمبر 1957 تا نومبر 1970۔

کریم گنج (آسام) کے ضلع میں ہندو اور مسلم نوجوانوں کے درمیان محض گائے کو لے کر جھگڑے کے بعد تشدد بھڑک اٹھا۔ ہندو اور مسلم اسمگلروں کے درمیان موجودہ مقامی دشمنی فسادات کی بنیادی وجہ بنی۔ دوسری رپورٹس کے مطابق تشدد اسی دن پھوٹ پڑا تھا جب سی پی آئی (کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا) نے چائے کے کارکنوں کے ایک بڑے مظاہرے کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں 1,500 مسلم مزدور شامل تھے۔ فرقہ وارانہ جذبات کی یہ اپیل کارکنوں کے اتحادی یونین کو توڑنے کے لیے کی گئی تھی۔ تشدد میں کچھ ذرائع کے مطابق 41 ہندو اور 41 مسلمانوں کی جانیں گئیں لیکن کچھ کے مطابق صرف سات جانیں گئیں۔

(Rajeshwari 2004);(78:Z. Hasan 1984)

24 تا 18 ستمبر 1969 احمد آباد (گجرات)

آبادی کی مذہبی ساخت (2001 کی مردم شماری کے مطابق): 81% ہندو، 14% مسلمان۔

گجرات کے وزیر اعلیٰ: ہتیندر کے ڈیسائی، کانگریس پارٹی۔ مدت حکومت: اکتوبر 1965 تا مئی 1971

ستمبر میں احمد آباد (گجرات) اور ملحقہ اضلاع میں ڈرامائی فسادات ہوئے۔ فرقہ وارانہ کشیدگی 1965 کی پاک بھارت جنگ کے بعد سے بڑھ رہی تھی، جس کے دوران گجرات کے وزیر اعلیٰ کا طیارہ مار گرایا گیا تھا۔ پاکستان مخالف جذبات تیزی سے مسلم دشمنی میں بدل گئے۔ 1968 کے وسط سے واقعات میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ جون 1968 میں جمعیت علمائے ہند نے گجراتی مسلمانوں کی ایک کانفرنس کا انعقاد کیا۔ اس کے بعد 27 تا 29 دسمبر کو آر ایس ایس کی ایک عوامی ریلی منعقد ہوئی، اور اس میں رہنما گرو گولوالکر نے شرکت کی۔ جنوری میں احمد آباد میں آل گجرات آر ایس ایس کیمپ کا انعقاد کیا

گیا جس میں دو ہزار رضا کار شامل تھے۔ 10 مارچ 1969 کو شہر میں مسلمانوں کا احتجاج ہوا جس میں ایک ہندو پولیس اہلکار نے ایک مسلمان رکشہ ڈرائیور کے ساتھ جھگڑے کے دوران مبینہ طور پر قرآن مجید کی توہین کی جس میں متعدد پولیس اہلکار زخمی ہوئے۔ 21 اگست کو مسلمانوں نے فلسطین میں مسجد اقصیٰ پر آتش زنی کے حملے کے خلاف مظاہرہ کیا۔ 4 ستمبر کو، ایک مسلمان پولیس اہلکار پر الزام تھا کہ اس نے ایک مذہبی تقریب کے دوران ہندو پنڈت (ہندو مذہبی کتابوں کے اسکالر) کی تلاش کے دوران ہندوؤں کی مذہبی کتاب رامائن کو لات ماردی۔ دو دن بعد، ایک ہندو دھرم رکھشا سمیتی (HDRS،) تشکیل دی گئی۔

15 ستمبر کو بی جے ایس کی جانب سے مسلم پولیس افسر کی سزا کا جشن منانے کے لیے ایک فتح کا جلوس نکالا گیا۔ 14 اور 16 ستمبر کو ممبر آف پارلیمنٹ اور بی جے ایس لیڈر بلراج مدھوک نے اشتعال انگیز تقریریں کیں۔ ماحول کشیدہ تھا ہی ایسے میں، 18 ستمبر کو ''جگن ناتھ مندر کے واقعے'' سے تشدد کو ہوا ملی۔ ہزاروں مسلمان پرانے شہر میں، جگن ناتھ ہندو مندر سے متصل ایک مزار کے سالانہ عرس کے لیے جمع ہوئے تھے۔ کچھ معمولی وجہوں سے سادھوؤں کے ساتھ جھڑپیں ہوئیں۔ اس جھڑپ میں 13 افراد زخمی ہوئے اور مندر کے شیشے کو بھی نقصان پہنچا۔ یہیں سے فسادات کی ابتدا ہوتی ہے اور اس واقعے کے بارے میں غلط افواہیں پھیلانے والے پمفلٹ اور اشتعال انگیز تقاریر کے بعد شہر میں تشدد پھوٹ پڑا۔ مقامی میڈیا نے ان واقعات میں قابل نفرت کردار ادا کیا۔ 18 ستمبر کی رات، بڑے ہندو ہجوم نے مسلمانوں کی املاک اور مذہبی مقامات کو لوٹا اور آگ لگا دی، پولیس نے مداخلت کرنے سے انکار کر دیا۔ 19 ستمبر کو صورتحال مزید بگڑ گئی۔ ایک مسلم نوجوان کو ''جئے جگن ناتھ'' کا نعرہ لگانے سے انکار کرنے پر جلا دیا گیا۔ بڑی تعداد میں خواتین کی عصمت دری کی گئی، حتیٰ کہ بچوں کو بھی تشدد سے نہیں بخشا گیا۔ ''امرائے وادی'' میں ایک سو مسلمانوں کو قتل کیا گیا۔ 20 ستمبر کی رات کو چار ٹرینوں کو روکا گیا اور شہر چھوڑنے کی کوشش کرنے والے 17 مسلمان مسافروں کو ہلاک کر دیا گیا۔ 23 ستمبر کو جب حکومت نے چند گھنٹوں کے لیے کرفیو ہٹایا تو ان چند گھنٹوں میں ہی چالیس افراد کو قتل کر دیا گیا۔ 20 اور 30 ستمبر کے درمیان تشدد قریبی اضلاع میں بھی پھیل گیا۔ فوج کی دیر سے آمد نے صورت حال کو مزید خراب کیا، لیکن چاقو بازی کے واقعات تقریباً ایک ماہ تک وقفے وقفے سے جاری رہے۔

پی جگن موہن ریڈی کمیشن کی رپورٹ نے اس بات کا ثبوت شائع کیا کہ زیادہ تر حملوں کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ مسلم گھرانوں کی شناخت کے لیے ووٹر لسٹوں کا استعمال کیا گیا تھا۔ ریڈی کمیشن نے پولس اور کانگریس کے زیر قیادت ریاستی انتظامیہ کو ان کی نااہلی اور کرفیو نافذ کرنے میں تاخیر کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ کمیشن نے آر ایس ایس اور بی جے ایس کے فسادات میں ملوث ہونے کی بھی مذمت کی۔

(G. Shah 1970,Reddy 1971,Graff 1977, Schermerhon 1976:17–18, G. Shah 1984 :185–191,Ghosh 1987 :154, Saksena 1990:177–178,Chatterji 1995: 24–25)

اس رپورٹ کے مطابق، تشدد میں 660 جانیں گئیں، جن میں 430 مسلمان اور 24 ہندو شامل تھے۔ دوسری رپورٹس کے مطابق ایک ہزار سے تین ہزار لوگوں کی موت کی خبریں ہیں۔ ہلاک ہونے والوں میں تقریباً 80 فیصد مسلمان تھے۔

مذکور فسادات میں آپ نے دیکھا کہ کس طرح سیکولر پارٹیوں کو مسلمانوں سے ہمدردی ہے، بہت زیادہ ہوتا ہے تو بعد میں ایک افسوس ناک بیان دے دیا جاتا ہے تاکہ مسلمان لیڈر نہیں بل کہ ''ڈیلر'' یہ کہہ سکیں کہ اب غلطی مان تو لی، کیا بچے کی جان لوگے؟/ ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا، کیا لکھا جائے اور کیا کہا جائے پچھتر سالوں سے عوام ایک بات نہ سمجھ سکی کہ ہمارا دشمن کون ہے؟ فسادات روکنے کی ذمہ داری کس کی بنتی ہے؟ آخر دنگائیوں کو جیل اور پھانسی کیوں نہیں ہوتی؟ کیوں ہمارے مالی نقصان کی بھرپائی نہیں ہوتی؟ ہمارا جرم کیا ہے؟ ہم نے کسے نقصان پہنچایا؟ کب نام نہاد سیکولر پارٹیوں کو ووٹ نہیں کیا؟ پھر بھی ہماری فکر نہیں؟ ہمارے درد کا احساس نہیں؟ جب حالت یہ ہے تو پھر ہونا یہ چاہیے کہ ہر صوبائی اسمبلی میں کم از کم اپنی قیادت کے اتنے لوگ ضرور بھیج دو تاکہ سیکولر، سیکولر رہ سکیں۔ سیکولر پارٹیوں کو ہم تبھی سیکولر رکھ سکتے ہیں جب اپنی قیادت مضبوط ہو ورنہ سیکولر کب کمیونل ہو جائیں کچھ کہا نہیں جاسکتا، جیسے سارے سیکولر بابری مسجد پر کمیونل ہو گئے!

کسی نے کچھ کہا؟ یہ خاموش کمیونل ہیں۔ سوچو اور فیصلہ کرو ورنہ وہ یونہی تمہیں مجبور سمجھ کر ووٹ بھی لیتے رہیں گے اور چوٹ بھی پہنچاتے رہیں گے۔

(جاری)

شان صدیق اکبر

از۔ مولانا سلمان فریدی، مسقط عمان

کوئی بدل نہیں صدیقی کارناموں کا
نبی نے مانا ہے احسان ان کے کاموں کا
وہ یار غار، وہ صدیق، وہ رفیق رسول
زبان دہر پہ چرچا ہے ان کے ناموں کا
نبی کے بعد، خلائق میں افضل و برتر
وہ ہے امام، زمانے کے سب اماموں کا
فروغ پاتی ہے جس سے صداقتوں کی نظر
عجب خمار ہے اس میکدے کے جاموں کا
بلندیاں جو خدا اور نبی نے دیں ان کو
نہ ہو سکے گا ہمیں درک ان مقاموں کا
بہت سنبھل کے ہم اس ذات پر زباں کھولیں
معاملہ ہے یہ حد درجہ احتراموں کا
جو یار غار تھا، یار مزار ہے اب بھی
وہی تو مرکز الفت ہے ہم تماموں کا
اے جلنے والو! اے نار جحیم کے کتو!
تمہیں نصیب نہیں ساتھ ذوالکراموں کا
وہاں رسائی ہے بس گل صفت نگاہوں کی
وہاں گزر نہیں تم جیسے خار فاموں کا
زبان کھولوگے تم کیا کسی کی عزت پر
کھلا ہے بند، تمہارے ہی پائیجاموں کا
سزا ضرور ملے گی تمہیں اہانت کی
حساب ہوگا لعینوں کا، بے لگاموں کا
زمیں کو پاک کیا جائے ان کے باغی سے
یہی علاج ہے سارے نمک حراموں کا
بڑوں کی عزت و حرمت پہ دیں سدا پہرا
فریدی! ہے یہ فریضہ سبھی غلاموں کا

عوام الناس میں پھیلی مشہور غلط فہمیوں کا ازالہ

از: مولانا عبداللطیف علیمی رضوی، تخصص فی الفقہ الحنفی، دارالافتاء فیضانِ تاج الشریعہ بریلی شریف

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صیغہ تصغیر اور کملی کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صیغہ تصغیر کا استعمال کرنا مطلقاً ممنوع و گناہ ہے چاہے کوئی ادب و تعظیم کے طور پر استعمال کرے تب بھی ناجائز کا ہی حکم ہوگا۔ اب لفظ کملی تصغیر ہے یا نہیں تو ''فیروز اللغات'' میں ہے کہ کملی کمل کی تصغیر ہے جس کا معنی چھوٹا کمبل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کلمات تصغیر کا استعمال سوئے ادب اور بارگاہ رسالت میں شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔

حضور تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری میاں علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

(ایسے کلمات کا استعمال درست نہیں) کہ توہین کا ایہام ہے بلکہ صیغہ اہانت میں داخل ہے۔ لہٰذا اس کا اطلاق ناجائز و حرام ہے اور متکلم پر توبہ لازم ہے۔

(فتاویٰ تاج الشریعہ، ج ا، ص ۳۰۸)

سوال: وضو کا پانی مسجد میں جھاڑنا یا ٹپکانا کیسا ہے؟

جواب: کچھ جگہوں پر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ وضو کے بعد منھ اور ہاتھوں سے پانی پونچھ کر مسجد میں جھاڑتے ہیں یہ طریقہ درست نہیں بلکہ ناجائز و گناہ ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اعضائے وضو کو پہلے رومال یا تولیہ وغیرہ سے ہلکا خشک کرلیں پھر مسجد میں داخل ہوں ورنہ اعضائے وضو کے پانی کو مسجد میں جھاڑنے کے سبب سخت گنہگار ہوں گے۔ حضور صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''مسجد کو ہر گھن کی چیز سے بچانا ضروری ہے۔ آج کل اکثر دیکھا جاتا ہے کہ وضو کے بعد منھ اور ہاتھ سے پانی پونچھ کر مسجد میں جھاڑتے ہیں یہ ناجائز ہے''۔

(بہار شریعت ج ا، حصہ ۳، ص ۱۶۸، احکام مسجد کا بیان)

سوال: کیا غسل کرنے کے وقت جو وضو کرلیا جائے اس سے نماز نہیں پڑھ سکتے؟

جواب: عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ غسل کرتے وقت جو وضو کیا جاتا ہے اس سے نماز نہیں ہوتی بلکہ نماز کے لیے دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے۔ یہ غلط مشہور ہے درست مسئلہ یہ ہے کہ غسل کرتے وقت جو وضو کیا جاتا ہے اس وضو سے نماز پڑھ سکتے ہیں جب کہ غسل کرنے کے بعد ناقض وضو میں سے کچھ نہ پایا گیا تو نماز کے لئے دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں۔ تفہیم المسائل میں ہے: ''غسل کرنے کے بعد نماز پڑھنے کے لئے وضو کی ضرورت نہیں رہتی''۔

(تفہیم المسائل ج ا ص ۴۷، مکتبہ ضیاء القرآن لاہور)

سوال: تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ لٹکانا کیسا ہے؟

جواب: تکبیر تحریمہ کے بعد فوراً ہاتھ باندھنا سنت ہے ہاتھ کو لٹکانا

نہیں چاہیے بلکہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد فوراً دونوں ہاتھوں کو کان سے ہٹا کر ناف کے نیچے باندھ لینا چاہیے، بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ لٹکاتے ہیں پھر باندھتے ہیں ایسا کرنا درست نہیں کہ سنت کے خلاف ہے۔ ''بہار شریعت'' میں ہے:

''بعض لوگ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ سیدھے لٹکاتے ہیں پھر باندھتے ہیں یہ نہیں چاہیے بلکہ ناف کے نیچے لاکر باندھ لے''۔

(بہار شریعت ج ۱ حصہ ۳،ص ۴۷، قادری کتاب گھر بریلی شریف)

سوال: قبرستان میں موم بتی واگر بتی لگانا کیسا ہے؟

جواب: خاص قبر کے اوپر چراغ وموم بتی جلانا لوبان واگر بتی لگانا منع ہے۔ ہاں اگر قبر سے الگ ہٹ کر خالی جگہ پر سلگائیں تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ خیال کرنا کہ اس کی روشنی اور خوشبو قبر میں جو دفن ہیں ان کو پہنچے گی ضرور جہالت ونادانی اور غلط فہمی ہے۔ دنیا کی روشنیاں، سجاوٹیں اور ڈیکوریشن وغیرہ جو کرتے ہیں یہ سب مردوں کو نہیں پہنچتیں۔ مردوں کو صرف ثواب ہی پہنچتا ہے۔ مردہ اگر جنتی ہے تو اس کے لئے جنت کی خوشبو اور روشنی کافی ہے اور جہنمی کے لئے نہ کوئی روشنی ہے نہ خوشبو۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر بتی قبر کے اوپر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوئے ادب اور بدفالی ہے۔ ہاں قریب قبر زمین خالی پر رکھ کر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، ج ۴،ص ۱۹۸، رضا اکیڈمی ممبئی)

سوال: جوتا چپل پہن کر نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: بعض لوگ نماز جنازہ میں جوتے چپل پہن کر ہی کھڑے ہوجاتے ہیں تو اگر اس حالت میں جوتا چپل پہن کر نماز پڑھی کہ اس کا تلا ناپاک ہے تو نماز نہ ہوگی بہتر یہی ہے کہ جوتا چپل اتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر وہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یا جن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اور اس حالت میں جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھی ان کی نماز نہ ہوئی۔ احتیاط یہی ہے کہ جوتا اتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھی جائے کہ زمین یا تلا اگر ناپاک ہو تو نماز میں خلل نہ آئے''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۴،ص:۸۸، رضا اکیڈمی ممبئی)

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''اگر جوتا پاک ہے تو اس کو پہن کر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے مگر بہتر یہ ہے ایسا نہ کرے کہ اسے دیکھ کر دوسرے لوگ جن کے جوتے ناپاک ہیں وہ پہن کر پڑھنے لگیں گے۔''

(فتاویٰ امجدیہ، ج ۱،ص ۳۱۸، قادری کتاب گھر بریلی شریف)

سوال: کیا بچہ کی پیدائش کے وقت جو عورت مر جائے وہ منحوس ہوتی ہے؟

جواب: بعض جگہوں پر کچھ لوگ ایسی عورت کو جو بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے مر جائے اس کو برا خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ناپاکی میں مری ہے اس لیے وہ منحوس ہے، مرنے کے بعد چڑیل بنے گی یہ سب جاہلانہ خیالات وخرافات ہیں۔ حدیث شریف میں ایسی حالت میں مرنے والی عورت کو شہادت کا مرتبہ پانے والی بتایا گیا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ''اللہ کی راہ میں مارے جانے کے سوا سات شہادتیں اور بھی ہیں: طاعون والا شہید ہے، دبا ہوا شہید ہے، ذات الجنب کی بیماری والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری والا شہید ہے، آگ والا شہید ہے، دب کر مرنے والا شہید

ہے،عورت ولادت میں مرجائے تو شہید ہے۔''

اس طرح کی حاملہ فوت ہوجائے یا ولادت کی حالت میں میلانہ نکلنے کی وجہ سے مرے یا ولادت کے بعد چالیس دن کے اندر فوت ہو بہرحال وہ حکماً شہید ہے۔

(مرأۃ المناجیح، ج ۲، ص ۴۱۲، ادبی دنیا)

سوال: جانورکو بٹائی پر دینا کیسا ہے؟

جواب: بکری یا کوئی اور جانور اس طرح چرانے کو دینا کہ بچے نصف نصف تقسیم کرلیے جائیں گے یعنی چرائی میں آدھے بچے دیے جائیں گے یہ ناجائز ہے۔کچھ لوگ گائے بکری بٹائی پر دیتے ہیں کہ جتنے بچے پیدا ہوں گے دونوں نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔یہ اجارہ فاسدہ اور ناجائز ہے۔بچے اسی کے ہیں جس کی بکری ہے دوسرے کو صرف اس کے کام کی اجرت ملے گی۔حضور صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''بعض لوگ بکری بٹائی پر دیتے ہیں کہ جو کچھ بچے پیدا ہوں گے دونوں نصف نصف لیں گے یہ اجارہ بھی فاسد ہے۔بچے اسی کے ہیں جس کی بکری ہے۔دوسرے کو اس کے کام کی اجرت مثل ملے گی۔''

(بہار شریعت، ج ۳، حصہ ۱۴، ص ۱۴۰، قادری کتاب گھر بریلی شریف)

سوال: کیا دھوبی کے یہاں کھانا درست نہیں ہے؟

جواب: کچھ لوگ دھوبی کے یہاں کھانا کھانے کو برا جانتے ہیں جب کہ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ دھوبی کے یہاں کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں دھوبی ہو یا کوئی اور مسلمان اگر سنی صحیح العقیدہ ہے تو اس کے یہاں کھانا کھانے میں کوئی حرج نہیں بلاشبہ جائز ہے۔جو لوگ دھوبیوں کے یہاں کھانا کھانے کو برا جانتے اور ان کے یہاں کے کھانے کو ناپاک بتاتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں۔''الملفوظ'' میں ہے:''دھوبی کے یہاں کھانے میں کوئی حرج نہیں یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ دھوبی کے یہاں کا کھانا جائز نہیں محض باطل ہے''۔

(الملفوظ، حصہ ۱، ص ۹، مکتبہ قادریہ سدھارتھ نگر، یوپی)

سوال: غازی میاں کا بیاہ منانا اور ان کے نام کا نشان اٹھانا کیسا ہے؟

جواب: بہت سے لوگ غازی میاں یعنی سید سالار مسعود غازی علیہ الرحمہ کے میلے کے موقع پر کسی لکڑی میں کپڑا لگا لیتے ہیں اور اس کے اوپر کسی چیز کا بال بھی لگا دیتے ہیں اس کو نشان کہتے ہیں اور اس کو لے کر ڈھول باجے کے ساتھ بلکہ بعض ڈھول باجے کے ساتھ ساتھ ناچنے والے بھی رہتے ہیں ناچتے کودتے پورے میلہ میں چکر لگاتے ہیں اور ان کے ساتھ عورتوں مردوں کا ہجوم رہتا ہے جو بے پردگی کے ساتھ گھومتے ہیں جس میں مسلم اور غیر مسلم عورتیں اس نشان پر گیہوں وغیرہ اناج بھی پھینکتی ہیں اور سب لوگ اس کو کچلتے رہتے ہیں اور بعض عورتیں اسی بھیڑ میں کھیلنا کودنا شروع کر دیتی ہیں یہ سب ناجائز و گناہ ہے۔لکڑی میں کپڑا باندھ کر اس کے اوپر کسی چیز کا بال لگا لینا اور اسے غازی میاں کا نشان کہنا، اس پر اناج پھینکنا، سب خرافات اور جاہلانہ رسم ہیں۔شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں بلکہ یہ ساری خرافات شرعاً ناجائز و گناہ ہیں اور عورتوں کا بے پردگی کے ساتھ گھومنا مزید اناج وغیرہ کی بے حرمتی کرنا سخت حرام ہے۔ایسے ہی غازی میاں کا بیاہ منانا بھی جہالت ہے۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''غازی میاں کا بیاہ کوئی چیز نہیں، محض جاہلانہ رسم ہے، نہ ان کے نشان کی کوئی اصل۔''

(فتاوی رضویہ، ج ۹، نصف آخر ص ۱۸۹، رضا اکیڈمی ممبئی)

سوال: کیا کھانا کھانے کے وقت سلام کرنا ناجائز ہے؟

جواب: کھانا کھاتے وقت سلام کرنا جائز ہے اور کوئی سلام کرے تو اس کے سلام کا جواب بھی دینا چاہیے کیونکہ ممانعت کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کھانے کے بیچ بات کرنا ثابت ہے۔ بعض فقہا نے کھانے کے بیچ سلام کرنے سے جو منع کیا ہے وہ اس صورت میں جب کہ لقمہ منھ میں ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جواب دینے سے نقصان پہنچ جائے۔ اگر کوئی ایسی حالت میں سلام کرتا ہے تو جواب دینا فوراً ضروری نہیں۔ ہاں اگر وہ کھانا کھا رہا ہے لیکن لقمہ منھ میں نہیں ہے تو سلام کیا جائے گا، جواب دینا بھی ضروری ہوگا، ابھی کھانے کے لئے بیٹھا ہی ہے یا کھا چکا ہے تو سلام کرسکتا ہے۔ ملخصاً

(بہار شریعت، سلام کا بیان، ج ۴، ح ۱۶، ص ۹۰، قادری کتاب گھر بریلی شریف)

سوال: دس بیویوں کی کہانی پڑھنا اور سننا کیسا ہے؟

جواب: دس بیبیوں کی کہانی جو آجکل پڑھی جاتی ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس کو پڑھنے اور سننے سے بچنا ہی ضروری ہے بلکہ بہتر ہے کہ اس کی جگہ قرآن شریف کی تلاوت کی جائے کہ جہاں قرآن پاک کی تلاوت ہوتی ہے وہاں رحمتوں برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔ بہت سی عورتیں ''دس بیویوں کی کہانی'' نامی کتاب کو پڑھتی اور سنتی ہیں اور اس کے پڑھنے کی منت بھی مانتی ہیں تو ایسی کتاب کا پڑھنا ہرگز درست نہیں کیونکہ اس کتاب میں من گھڑت قصہ از سرتا پا فرضی کہانیاں موجود ہیں۔ اس میں کوئی سچائی نہیں اور ان کتابوں کی منت ماننا ضرور جہالت ہے۔

(فتاوی فقیہ ملت، ج ۲، ص ۹۶، فقیہ ملت اکیڈمی)

سوال: کیا کسی طاق یا درخت پر شہید مرد رہتے ہیں؟

جواب: کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں درخت یا فلاں طاق پر شہید مرد رہتے ہیں اور لوگ اس درخت یا طاق کے پاس جاکر بالخصوص ہر جمعرات کو شیرنی وغیرہ پر فاتحہ نذر و نیاز دلواتے ہیں، ہار لٹکاتے، پھول ڈالتے، لوبان، اگربتی وغیرہ سلگاتے ہیں مرادیں مانگتے ہیں۔ یہ سارے امور ناجائز و گناہ اور خرافات پر مشتمل ہیں۔ شریعت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ سب واہیات و خرافات اور جاہلانہ حماقت و باطلات ہیں ان کا ازالہ لازم''۔

(احکام شریعت ح ۱ ص ۳۲، قادری کتاب گھر بریلی شریف)

سوال: مزارات اولیا اللہ پر بچوں کے سر کے بال اتروانا یا بال اتروانے کی منت ماننا کیسا ہے؟

جواب: مزارات اولیا پر بچوں کو لے جاکر بال اتروانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بلکہ اگر گھر پر رہ کر ہی بال اتروائیں تو بہتر ہے۔ بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اس کی کچھ میعاد مقرر کرتی ہیں اس میعاد تک کتنے ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی برقرار رکھتی ہیں پھر میعاد گزار کر مزار پر لے جاکر وہ بال اتارتی ہیں تو یہ ضرور محض بے اصل بدعت ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

(فتاوی افریقہ، ص ۶۵، نوریہ رضویہ فیصل آباد)

رئیس التحریر کی رضویاتی کتب کا تعارف

از۔مولانا محمد عطاء النبی حسینی مصباحی ابوالعلائی، مدیر اعلیٰ سہ ماہی ''سنی پیغام'' نیپال

رئیس التحریر ماہر رضویات علامہ یسین اختر مصباحی کی زندگی حرکت وعمل اور جد و جہد سے عبارت رہی جس کا اعتراف ہر خاص وعام کو ہے۔آپ نے اکثر علمی شعبہ جات کو وقت دیا۔تدریس کا شعبہ ہو یا تقریر کا، تحقیق وتدقیق کا شعبہ ہو یا تصنیف وتالیف کا۔ لیکن ان تمام میں آپ نے جس شعبہ کو سب سے زیادہ وقت فراہم کیا وہ تحریر وقلم اور تصنیف وتالیف کا ہے۔جس کے سبب آپ کے پختہ فکر، سیال قلم اور مخصوص اندازِ تحریر سے تقریباً ۸۰/ سے زائد کتابیں معرض وجود میں لائیں جن میں سے رضویات سے متعلق درج ذیل قابل استفادہ ولائق مطالعہ کتابیں ہیں۔

(۱) امام احمد رضا۔ارباب علم ودانش کی نظر میں (۲) امام احمد رضا۔رد بدعات ومنکرات (۳) فقہ حنفی اور امام احمد رضا (۴) بارگاہ خواجہ میں امام احمد رضا کی حاضری (۵) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت (۶) امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت (۷) امام احمد رضا اور جدید تحریکات (۸) معارف کنز الایمان۔ترجمہ قرآن (۹) آفتاب وماہتاب۔

راقم الحروف کا ارادہ یہی تھا کہ رئیس التحریر کی تمام کتب کا تعارف وتبصرہ سپرد قرطاس کرے لیکن وقت کی تنگی اور تدریسی اور دیگر مصروفیات ارادہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے مانع ہیں،اس لیے پھر قلم کو تصنیفات رئیس التحریر میں سے کسی ایک موضوع کی طرف موڑ دیا اور وہ موضوع ہے ''رئیس التحریر کی رضویاتی کتب کا تعارف'' اس عنوان کے انتخاب وترجیح کی وجہ یہ ہے کہ رئیس التحریر کی زندگی کا خاطر خواہ حصہ رضویات پر لکھنے میں گزرا۔اب ذیل میں رئیس التحریر کی دستیاب رضویاتی کتب کا تعارف وتبصرہ ضبطِ تحریر کیا جارہا ہے۔

(۱) بارگاہِ خواجہ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہمیشہ بے داغ رہی اگرچہ داغ دار بنانے کی بہت کوشش کی گئی اور اس میں اس قدر آگے بڑھے کہ جہاں کسی شوشہ کی بھی گنجائش نہیں تھی وہاں پورا گوشہ دکھانے پر پورا زور صرف کیا گیا۔انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غیروں نے عناد وعداوت میں اور کچھ عاقبت نا اندیشوں اور سطحی معلومات رکھنے والے حاسدوں کی جانب سے سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ افواہ پھیلانے کی ناکام و ناپاک کوشش کی گئی کہ آپ کو سیدنا حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی عقیدت ومحبت نہیں تھی، نہ آپ نے کبھی بارگاہ سیدنا حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ورفعت میں کچھ تحریر فرمایا ہے۔اس شوشہ کے جواب میں کئی ایک مقالات معرض وجود میں آئے اور کچھ کتابیں بھی منصۂ شہود پر آئیں جن میں ''ثنائے خواجہ بزبان امام احمد رضا'' اور ''بارگاہ خواجہ میں امام احمد رضا کی حاضری'' قابلِ ذکر ہیں۔ان میں موخر الذکر کتاب رئیس التحریر کی ہے۔اس کتاب میں صدائے روح پرور و دل نواز، نذرِ خواجۂ ہند، سلطان الہند

خواجہ معین الدین چشتی، تصوف وطریقت اور خدمت خلق، ملفوظات و ارشادات مشائخ چشت، وہ آستانہ جہاں شاہ بھی غلام بنے، بارگاہِ خواجہ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری، مناقب خواجۂ ہند کے ذیلی عناوین کے تحت حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی، تصوف وطریقت کے مسائل، مشائخ چشت اہل بہشت کے ملفوظات اور پھر بارگاہِ خواجہ میں امام اہل سنت کی حاضری سے متعلق غیروں کو جواب اور اپنوں کے ازالۂ شبہات کا سامان فراہم کیا ہے۔

جواب کے لیے دوطریقے اپنائے گئے ہیں:

(۱) برسبیل تنزل (۲) برسبیل ترقی۔

(۱) برسبیل تنزل وتسلیم یہ کہ اگر اس افواہ کو تو ڑی دیر کے لیے تسلیم بھی کرلیا جائے کہ امام اہل سنت کی خواجۂ ہند کی شان میں کوئی تحریر نہیں اور نہ آپ کی بارگاہِ سلطان الہند میں حاضری ہوئی تو بھی امام اہل سنت پر کوئی اعتراض نہیں۔ رئیس التحریر تحریر فرماتے ہیں:

’’آپ کے قلب وروح اور پورے وجود پر قادری رنگ اتنا غالب تھا کہ اپنے قادری مشائخ طریقت ہی کو ذریعہ فیضان سمجھ کر ان سے ہی ہمہ وقت، استمداد کیا کرتے تھے اور ان کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی منظوم محبتیں، صرف، مشائخ قادریہ کے اوصاف وکمالات ومحامد ومحاسن پر مشتمل ہیں اور دیگر مشائخ سلاسل سے حسن عقیدت کے باوجود آپ نے ان میں سے کسی کی منظوم منقبت نہیں لکھی۔ آپ کی تحریر کردہ کوئی منقبت محض شاعرانہ ہے، نہ ہی پیشہ ورانہ۔ بلکہ سبھی منقبتیں آپ کی قلبی کیفیات و واردات کا آئینہ ہیں، جن میں آپ کے قادری مشائخ کرام بالخصوص، قطب ربانی، غوث صمدانی محبوب سبحانی، حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کے انوار وتجلیات کی ضوفشانی ہے۔ جہاں کوئی آورد نہیں، آمد ہی آمد ہے اور آپ کے نہاں خانہ قلب میں کسی طرح کا تکلف وتصنع نہیں۔ بلکہ ہر طرف حسن فطرت کی کرشمہ سازی ہے۔ ہر سمت نوائے حقیقت کا سوز وساز ہے اور ہر چہار جانب صفاو وفا کا پرتو جمال اور رعنا وخیال ہے۔ ہاں! اگر آپ نے غیر قادری مشائخ کرام میں سے کچھ کی منقبتیں لکھی ہوتیں اور بعض اہم شخصیات کی منقبتیں نہ ہوتیں، تو شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگرچہ یہ بھی کوئی قابل انگشت نمائی بات نہ ہوتی۔ کیوں کہ جس طرح کوئی عالم ومحقق ومصنف کچھ موضوعات پر داد تحقیق دیتا ہے اور بہت سے موضوعات پر خامہ فرسائی نہیں کر پاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اسے باقی موضوعات کی اہمیت وعظمت سے کوئی اجتناب واحتراز یا کسی طرح کا تردد وانکار ہے، ایسے وساوس و اوہام اسی شخص کے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں جو بدگمانی کے مرض میں مبتلا اور اس گناہ کے ارتکاب کا عادی ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی ناسمجھی سے ایسی بات سوچ رہا ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ محض شرانگیزی کی نیت سے اس طرح کے شوشے چھوڑ رہا ہو‘‘۔

(بارگاہ خواجہ ہند میں امام احمد رضا کی حاضری،ص:106)

(۲) مذکورہ جواب برسبیل تسلیم ہے لیکن تاریخ وحقائق سے رشتہ مضبوط رکھنے والے اہل علم پر مخفی نہیں کہ امام اہل سنت نے حضور خواجہ خواجگان سلطان ہند کی شان میں نہ صرف فتاویٰ لکھے بلکہ آپ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت سے بھی بہرہ ور ہوئے، اسی لیے رئیس التحریر نے برسبیل ترقی مذکورہ اعتراض کا انکار کرتے ہوئے بھی جواب رقم فرمایا، آپ لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا بریلوی، صرف حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ کی دست گیری پر قربان نہیں تھے، بلکہ عطائے رسول، سلطان الہند حضور سیدنا معین الملت والدین خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ تعالی عنہ کی شان غریب نوازی وفیض رسانی کا بھی آپ اپنی مجلسوں اور تحریروں میں چرچا کیا کرتے تھے۔ چناں چہ، ایک استفتاء کے جواب میں آپ، پورے یقین واذعان کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں: حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ ضرور، دست گیر ہیں اور حضرت سلطان الہند معین الحق والدین ضرور غریب نواز''۔

(ص ۳۳۔ فتاوی رضویہ جلد یازدہم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی کمیٹی)

اپنی بات کو مزید مدلل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غلام معین الدین اور اجمیر شریف، نہ لکھنے والے کے خلاف آپ کا یہ تیور بھی کتنا پر جلال وو ہابیت کش اور روح پرور وعقیدت افروز ہے، جسے ذیل کے سوال وجواب میں ملاحظہ فرمائیں:

''مسئلہ ۸۳: از سرکار اجمیر مقدس لنگر گلی مسئولہ حکیم غلام علی صاحب ٦ شوال ۱۳۳۹ھ

اگر کوئی مولوی اپنے مدرسہ کے دروازے پر اور خلافت کے بورڈ پر اور خلافت کی ٹوپی پر اور خلافت کی رسید پر فقط اجمیر لکھے کیا اجمیر کے ساتھ شریف نہ لکھنا اور اصلی نام غلام معین الدین پر غلام نہ لکھنا خلاف عقیدہ اہلسنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: اجمیر شریف کے نام پاک کے ساتھ لفظ شریف نہ لکھنا اور ان تمام مواقع میں اس کا التزام کرنا اگر اس بنا پر ہے کہ حضور سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلوہ افروزی حیات ظاہری ومزار پر انوار کو (جن کے سبب مسلمان اجمیر شریف کہتے ہیں) وجہ شرافت نہیں جانتا تو گمراہ بلکہ عدو اللہ ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ عزوجل فرماتا ہے: من عادیٰ لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب۔ (جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے۔ ت) اور اگر یہ ناپاک التزام بربنائے کسل وکوتاہ قلمی ہے تو سخت بے برکتا اور فضل عظیم وخیر جسیم سے محروم ہے کما افادہ الامام المحقق محی الدین ابوزکریا قدس سرہ فی الترضی (جیسا کہ امام محقق محی الدین ابوزکریا قدس سرہ نے ترضی میں بیان فرمایا ہے۔ ت) اور اس کا مبنیٰ وہابیت ہے تو وہابیت کفر ہے، اس کے بعد ایسی باتوں کی کیا شکایت۔ ماعلی مثلہ بعد الخطاء (خطاء کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ ت)

اپنے نام سے لفظ غلام اس بنا پر ہے کہ حضور خواجہ خواجگان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم کا غلام بننے سے انکار واستکبار رکھتا ہے، تو بدستور گمراہ اور بحکم حدیث مذکورہ عدو اللہ ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم، قال اللہ: ''الیس فی جہنم مثوی للمتکبرین'' (اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: کیا نہیں جہنم میں ٹھکانا متکبرین کا۔ ت)

اور اگر بربنائے وہابیت ہے کہ غلام اولیائے کرام بننے والوں کو مشرک اور غلام محی الدین وغلام معین الدین کو شرک جانتا ہے تو وہابیہ خود زندیق، بے دین، کفار ومرتدین ہیں:'' وللکافرین عذاب مہین''۔ (اور کفار کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ص: 187، 188، فتاویٰ رضویہ، جلد: ششم، مطبوعہ: رضا اکیڈمی،

ممبئی۔ بارگاہ خواجہ میں امام احمد رضا کی حاضری، ص 111-112)

(۲) انگریز نوازی کی حقیقت: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی کذب بیانی کی گئی کہ آپ انگریز نواز تھے اور آپ انگریز کے ایجنٹ تھے، حالاں کہ یہ ایسی کذب بیانی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ کذب بھی اس کذب بیانی کو دیکھ کر شرما جائے۔ مذکورہ کتاب اسی کذب کا پردہ چاک کرنے اور حقیقت کو آشکار کرنے کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے رئیس التحریر لکھتے ہیں:

''جماعت اسلامی ہند کے ترجمان سہ روزہ دعوت نئی دہلی (شمارہ ۷ ستمبر ۲۰۰۶ء) میں ڈاکٹر مغل فاروق پرواز (علی گڑھ) کا ایک مضمون چھپا جس کے بعض حصے سخت قابل گرفت اور علمائے اہل سنت کی کردار کشی پر مشتمل ہیں۔ ساتھ ہی یہ مضمون ہرگز اس لائق نہیں تھا کہ جماعت اسلامی ہند کے ترجمان کے صفحات پر اسے جگہ ملے۔ زیر نظر کتاب میں اس کے اسباب اور متعلقہ تفصیلات پڑھ کر آپ بھی اسی نتیجے تک پہنچیں گے۔ یہاں ان کی نشان دہی اور کچھ خامہ فرسائی کر کے آپ کا زیادہ وقت لینا ہم مناسب نہیں سمجھتے۔

ہندوستان کے دو جلیل القدر عظیم المرتبت علمائے اہل سنت حضرت علامہ فضل رسول عثمانی بدایونی (وصال ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) اور فقیہ اسلام امام احمد رضا بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کو بلا کسی دلیل وثبوت وشہادت کے ڈاکٹر مغل فاروق پرواز نے انگریزوں کا ایجنٹ لکھا ہے اور جب ان سے میں نے اپنے ایک اداریہ (ماہنامہ کنز الایمان دہلی۔ شمارہ دسمبر ۲۰۰۶ء) کے ذریعہ کوئی دلیل وثبوت طلب کیا تو وہ اب تک اپنے عائد کردہ الزام کو کسی بھی طرح ثابت کرنے میں ناکام رہے اور اظہار ندامت ومعذرت کی اخلاقی جرات بھی نہ دکھا سکے۔ ''کون ہے برطانوی سامراج کا سند یافتہ ایجنٹ؟ مشمولہ کتاب ہذا کا خلاصہ مذکورہ اداریہ ہے۔''

(انگریز نوازی کی حقیقت، ص:6)

حالاں کہ اس الزام اور جھوٹ کو ابوالاعلیٰ مودودی کے معتمد کوثر نیازی نے خود غلط قرار دیا ہے جو مضمون نگار اور جماعت اسلامی ہند والوں کے منہ پر زوردار طمانچہ سے کم نہیں۔ کوثر نیازی لکھتے ہیں:

''یہ کہنا کہ ان (امام احمد رضا بریلوی) کے اقدامات انگریز نوازی پر مبنی تھے، یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو یا تو امام احمد رضا کے مسلک کو سرے سے جانتا ہی نہ ہو یا جانتا ہو مگر جان کر نہ ماننا چاہتا ہو۔ ایک ایسا مرد مومن جسے انگریزی سامراج سے اتنی نفرت ہو کہ وہ اس کی کچہری میں جانا روا نہ سمجھتا ہو۔ جو مقدمہ قائم ہو جانے کے باوجود اس کی عدالت میں نہ گیا ہو۔ جو خط لکھتا ہو تو کارڈ اور لفافے کی الٹی طرف پتہ لکھتا ہوتا کہ انگریز بادشاہ اور ملکہ کا سر نیچا نظر آئے۔ جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے پہلے یہ وصیت کی ہو کہ اس دالان سے ڈاک میں آئے وہ تمام خطوط جن پر ملکہ اور بادشاہ کی تصویر ہے اور روپے پیسے جن پر یہ تصویریں ہیں سب باہر پھینک دیے جائیں تا کہ فرشتہ ہائے رحمت کو آنے میں دشواری نہ ہو۔ جس نے نعت گوئی میں بھی کسی کو نمونہ مانا اور اسے سلطان نعت گویاں قرار دیا تو وہ حضرت مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ اس سلسلے میں باقاعدہ جدوجہد کی اور ۱۸۵۸ء میں مرادآباد کے چوک میں انھیں بر

سر عام پھانسی دے دی گئی۔اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریز کا حامی تھا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ سورج، ظلمت۔ پھول، بد بو۔ چاند، گرمی۔سمندر، خشکی۔ بہار، پت جھڑ۔صبا صرصر۔ پانی، حدت۔ ہوا، حبس اور حکمت، جہالت کا دوسرا نام ہے۔

(امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت از مولانا کوثر نیازی،ص:29)

انگریز نوازی کی حقیقت نامی اس کتاب میں رئیس التحریر نے اولاً مضمون نگار کے قلم سے اس کے عائد کردہ 6 بے بنیاد الزامات نقل کیے اور ساتھ ہی مضمون نگار کی وسعت مطالعہ اور مبلغ علم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’مضمون نگار کا مطالعہ اور مبلغ علم کیا ہے؟ یہ حقیقت ان کی اس تحریر سے صاف عیاں ہے۔اس تحریر میں بذات خود ان کا کچھ بھی نہیں ہے کیوں کہ ان کا منتہاے علم و مطالعہ ’’مطالعہ بریلویت از خالد محمود (مانچسٹر، برطانیہ) اور ’’البریلویت از احسان الٰہی ظہیر (متوفی ۱۹۸۶ء لاہور) ہے۔ان دونوں کتابوں بالخصوص ’’مطالعہ بریلویت‘‘ سے نقل کے سوا اس کے اندر واقعۃً کچھ بھی نہیں ہے اور یہ الزامات واتہامات سو سال سے بار بار دہرائے جاتے رہے ہیں اور بار بار ان کے جوابات دیے جاتے رہے ہیں۔سینکڑوں کتب و رسائل کے ہزاروں صفحات ان التزامات و جوابات کی نذر ہو چکے ہیں‘‘۔

(انگریز نوازی کی حقیقت ص 50-51)

اس کے بعد مضمون نگار کے درج ذیل ۱۱/الزامات کا نمبر وار تحقیقی جائزہ پیش کیا جس سے مضمون نگار اور ان کے سرپرستوں و ہمنواؤں کا بنایا ہوا شیش محل اس طرح چکنا چور ہو جاتا ہے کہ اس کے ٹکڑے زمین پر آنے سے پہلے ہی ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ 11 سوال یہ ہیں:

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی (۲) تینوں علماے اہل سنت یعنی مولانا احمد رضا بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۱۲ء) و علامہ فضل رسول بدایونی (وصال ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۸۹ء) و شیخ احمد بن زینی دحلان شافعی مکی (وصال ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء) کی مبینہ انگریز نوازی۔(۳) دارالاسلام اور جہاد (۴) ترک موالات کی مخالفت (۵) عام مسلمانوں میں تفرقہ اور ان کی تکفیر (4) انگریزوں سے چندہ وصولی (۷) مولانا احمد رضا اور شیخ احمد بن زینی دحلان کی خفیہ ملاقات (۸) مولانا احمد رضا کی تین کتابیں (۹) علامہ فضل رسول بدایونی کی تین کتابیں (۱۰) شیخ احمد بن زینی دحلان کی خلاصۃ الکلام (۱۱) محمد حسین بٹالوی و نذیر حسین دہلوی کی ردقادنیت کے سلسلے میں تعریف۔

(مصدر سابق،ص 61)

اس کے بعد ’’الزام بلا ثبوت اور دعویٰ بلا دلیل کے تازہ نمونے‘‘ کے عنوان کے تحت بھی مضمون نگار کے ۱۱/جواب الجواب کا نمبر وار دنداں شکن جواب تحریر فرمایا جو صفحہ نمبر 118 تا 171 یعنی 53 صفحات پر مشتمل ہے۔جسے تفصیل کی ضرورت ہو وہ کتاب کی طرف رجوع کرے۔

(۳) امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے تعلق سے غیروں نے ایک غلط ذہن سازی یہ شروع کی کہ انہوں نے سنتوں کے بجائے بدعتوں کو فروغ دیا۔ زیر نظر کتاب میں اسی کا تحقیقی، تنقیدی اور تنقیحی جائزہ لیتے ہوئے ثابت کیا گیا ہے کہ امام اہل سنت نے احیاے سنت اور تجدیدِ

دین وملت کا فریضہ انجام دیا نہ کہ تجدید بدعات ومنکرات کا کام کیا۔ مذکورہ کتاب کے نام، اس کے پس منظر اور کتاب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے رئیس القلم علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں:

’’امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات‘‘ اس مقام پر حضرت مصنف کی قلمی فراست اور فکری شعور کو میں داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ کتاب کا یہ نام رکھ کر انہوں نے ایک بہت بڑے جھوٹ کا پردہ فاش کیا ہے۔ ایک ایسا جھوٹ جو اتنی بار دہرایا گیا اور اتنی قوت سے دہرایا گیا کہ لوگوں کو اس پر سچ کا گمان ہونے لگا۔ جن لوگوں کے اعتقادی مفاسد پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اپنے قلم کا نشتر چلایا تھا، وہ زخموں کی تاب نہ لاکر زندگی بھر کراہتے رہے۔ انتقام ہر زخمی کا فطری تقاضہ ہے اور فطرت ہی کا یہ بھی ایک داعیہ ہے کہ جب آدمی دشمن پر قابو نہیں پاتا تو دشنام طرازیوں پر اتر آتا ہے۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ علم واستدلال کے ذریعہ جو لوگ اپنے خلاف اہانت رسول کے الزام کا دفاع نہیں کر سکے۔ ان کو اپنے جذبہ انتقام کی تسکین کی یہی صورت نظر آئی کہ جس طرح بھی ممکن ہو، مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شخصیت کو مجروح کیا جائے۔ علمی جلالت اور کردار کے تقدس پر انگلی رکھنے کی کوئی جگہ نہیں مل سکی تو یہ الزام تراشا گیا کہ انہوں نے سنتوں کی بجائے بدعتوں کو زندہ کیا ہے۔ لیکن اس مقام پر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے کردار کی ارجمندی کو بار بار سلام کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ان کے خلاف کذب بیانی و الزام تراشی کا کاروبار کرنے والے اپنی ہزار دشمنی کے باوجود اب تک ان پر یہ الزام عائد نہ کر سکے کہ وہ بدعتوں کے موجد بھی ہیں۔ زیر نظر کتاب برادر گرامی مولانا یسین اختر مصباحی کی گراں قدر کاوشوں کا نمونہ ہے۔ زبان و بیان کی شگفتگی، دلائل کی پختگی، رد و اثبات میں متانت و سنجیدگی آپ کو ہر جگہ عیاں نظر آئے گی۔ موصوف نے رضویات کے ایک نئے موضوع پر تحقیق کی ہے جو قارئین کے لئے خاصی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

(امام احمد رضا رد بدعات ومنکرات، ص30، 31)

زیر نظر کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ ذکر خدمات کے نام سے ہے اور دوسرا حصہ رد بدعات ومنکرات کے نام سے موسوم ہے۔

(۴) امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان علم حدیث، اصول حدیث، معرفت حدیث، طرق حدیث، علل حدیث، مصطلحات حدیث، راویان حدیث میں یگانہ روزگار تھے۔ ساتھ ہی آپ کو حدیث کو پرکھنے، جانچنے اور حدیث کی شرط ومعیار متعین کرنے اور راویان حدیث کی معرفت و شناخت طے کرنے میں جو مہارت تامہ حاصل تھی اس کی نظیر نہیں ملتی، لیکن اس کے باوجود اعلیٰ حضرت سے بغض رکھنے والوں نے یہ لکھ مارا کہ:

”قليل البضاعة فى الحديث و التفسير“۔

یعنی امام اہل سنت کی اہلیت حدیث وتفسیر میں بہت کم تھی۔

مخالفین کے اس پروپیگنڈے کے جواب میں علمائے اہل سنت نے جوابات دلائل و براہین کے ساتھ لکھے جن میں سے مبسوط و مفصل جواب کے طور پر ماہر رضویات علامہ حنیف صاحب کی مرتب کردہ ’’جامع الاحادیث‘‘ سرفہرست ہے۔

اس کے باوجود بھی مخالفین اپنے پروپیگنڈے اور افواہ سے باز نہ آئے تو رئیس التحریر نے ان کی بے بسی اور مطالعہ کی بے چارگی کو واضح کرتے ہوئے ایک تحقیقی کتاب ''امام احمد رضا کی محدثانہ عظمت'' تحریر فرمائی۔ مذکورہ کتاب میں رئیس التحریر نے فن حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال اور حفظ حدیث پر مہارت و دسترس کو بعض مثالوں سے واضح کیا اور یہ بھی ثابت کیا کہ آپ جہاں ایک عظیم محدث تھے وہیں حافظ حدیث بھی تھے۔ ۸۰ر صفحات پر مشتمل مذکورہ کتاب مختصر ضرور ہے لیکن راہ حق کے متلاشیان کے لیے کافی وافی ہے۔

5﴾امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات: اس کتاب کے معرض وجود میں آنے کا سبب علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب کی مذخورہ کتاب کے درج ذیل اقتباس کو کہا جا سکتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی عیسوی کا نصف اول متحدہ ہندوستان کے لئے مذہبی و سیاسی اعتبار سے کافی ہنگامہ خیز ثابت ہوا جس میں مختلف افکار و تحریکات نے اپنی پوری قوت و طاقت کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں پہ یلغار کی اور ان کے اثرات آج بھی برصغیر ہند و پاک و بنگلہ دیش کے طول و عرض میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ اصحاب علم وتحقیق اور ارباب تاریخ و سیاست آج بھی ان کے اسباب و محرکات اور ان کے نتائج وعواقب پہ اپنے اپنے انداز سے بحث و تمحیص اور تنقید وتبصرہ کرتے رہتے ہیں۔ مضامین و مقالات لکھتے رہتے ہیں اور ہر مزاج وفکر ومعیار کی کتابیں منظر عام پر آتی رہتی ہیں۔ جن حالات سے یہ پُر آشوب دور گزرا اس میں اچھے اچھوں کے قدم جادۂ حق وراہِ اعتدال سے دور ہو گئے تھے اور یہ اس دور کا سب سے افسوسناک اور تشویشناک پہلو ہے کہ بعض مشاہیر علماء اور مسلم قائدین جنھیں ملتِ اسلامیۂ ہند اپنا رہنما اور نجات دہندہ سمجھتی تھی ان کے قدم بھی لغزش کھا گئے۔ جب کہ ایسے ہی نازک حالات میں مومنانہ فہم وفراست کا امتحان ہوتا ہے اور بصیرت و استقامت کی صحیح جانچ پرکھ ہوتی ہے۔''

(امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات، ص:5)

اس کے بعد اس دور میں اس میدان میں خدمات انجام دینے والی چند شخصیات کی نہایت اجمالی جھلکیاں پیش کرنے کے بعد امام اہل سنت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''زیرِ نظر کتاب میں آپ دیکھیں گے کہ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے مذہب و مسلک سے انحراف کرنے والی جماعتوں وفرقوں کے افکار وخیالات اور اہل سنت کے صراط مستقیم اور ان کی شاہراہ کو چھوڑ کر نئی راہیں اپنانے والے فریب خوردہ افراد کا احتساب وتعاقب امام اہل سنت مولانا احمد رضا بریلوی نے کتنی ایمانی بصیرت اور اخلاقی جرأت کے ساتھ کیا ہے اور کس دردمندی و دل سوزی کے ساتھ انھیں متنبہ کرتے ہوئے بلاخوفِ لومۃِ لائم حکم شریعت واضح کیا ہے۔ کسی حرص وطمع اور کسی اندیشۂ سود وزیاں کی آپ نے شریعت کے مقابلے میں کبھی کوئی پروانہ کی''۔

(مصدر سابق، ص14، 15)

مزید آگے لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا بریلوی کی زندگی کے آخری دوڈھائی سال کا دور متحدہ ہندوستان کی زبردست سیاسی کشمکش کا دور تھا جس میں مسلمانوں کے مذہبی جذبات ابھار کر انھیں کچھ علماء اور مسلم لیڈروں نے اپنے سیاسی

عزائم کے لئے بڑے پیمانے پر استعمال کیا جس کے یہ دو پہلو خاص طور پر نہایت افسوسناک تھے۔

(۱) کئی اصول واحکام شرعیہ کو پامال کیا گیا۔ ہندو مسلم اتحاد کے نام پر بہت سی غیر شرعی حرکتیں کی گئیں۔ یہود ونصاریٰ و کفار ومشرکین کے تعلق سے جو حکم شرعی عام تھا اس سے مشرکین ہند کو بزعمِ خویش مستثنیٰ کیا گیا۔ مسلم تشخص اور مسلم مستقبل تاریک کر دینے کی سازش کو نظر انداز کر کے انہیں سیاسی حالات کے دھارے میں بہنے پر مجبور کیا گیا۔

(۲) مذہبی مسائل کو سیاسی رنگ دینے اور اپنے سیاسی عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کفار ومشرکین کی قیادت کو کچھ ایسے مشہور علماء نے بھی بسر وچشم قبول کر لیا جنھیں مسلمانانِ ہند کی مذہبی قیادت و رہنمائی کا دعویٰ تھا اور جن پر اعتماد کر کے بہت سارے مسلمان نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھتے گئے جس کا نتیجہ نقصان وخسارہ اور ندامت وپشیمانی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(مصدر سابق، ص15،16)

اس کتاب کے فوائد اور حاصل کیا ہے؟ علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں: ''امام احمد رضا اور جدید افکار وتحریکات'' حاضر خدمت ہے۔ اس کا (مع مراجع وحواشی) بغور مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ کتاب وسنت و ارشاداتِ صحابہ وتابعین واقوالِ ائمہ وفقہا وعلماے اسلام کے مذہب و مسلک وموقف کا کس طرح امام احمد رضا نے التزام واتباع کیا ہے اور کسی بھی دخیل فکر اور جدید نظریہ وسیاسی تحریک کے بارے میں آپ نے جو شرعی موقف اپنایا ہے اس میں روحِ شریعت سے آپ کتنے ہم آہنگ اور قریب تر ہیں کہ یہ ہم آہنگی وقرب واتباع ہی آپ کے عقیدہ وفکر وعلم وبصیرت کا اصل محور ومرکز ہے۔ آپ نے اپنی ہر تحریر و فتویٰ میں حق و باطل اور کھرے کھوٹے کو الگ کر دکھایا ہے اور کسی مداہنت ومخالطت کو آپ نے کبھی کوئی راہ نہیں دی ہے نہ حالات سے متاثر ہو کر مزاج ومفادِ شریعت کے خلاف کوئی بات کہی ہے نہ مخالفین و معاندین کے طعن وتشنیع والزام وپروپگنڈہ کی کبھی پروا کی ہے۔ اپنے طرز فکر اور اپنے قول وعمل کے ذریعہ تازیست آپ نے قوم مسلم کو یہی پیغام دیا اور بار بار تاکید واصرار یہ پیغام دیا ہے کہ:

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

(مصدر سابق، 29)

(6) فقہ حنفی اور امام احمد رضا: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے عظیم وجلیل فقیہ تھے، میدان فقاہت میں آپ کے مقام ومرتبہ کا عالم یہ تھا کہ آپ کے فتاویٰ کو علماے عرب و عجم نے قبول کیا اور اس انفرادیت کو دیکھتے ہوئے اہل علم نے آپ کو ''ابوحنیفۂ ہند'' سے بھی یاد کیا۔

آپ کی اسی فقہی خدمات کے نمونوں پر مشتمل علامہ یاسین اختر مصباحی صاحب نے اس کتاب کو ترتیب دیا جسے مقبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں مولف موصوف نے عرفان و فیضان حجاز مقدس، آئینۂ ماضی، عکس حیات و خدمات، ضروریات دین، مسئلۂ تکفیر، مسئلۂ ختم نبوت، شریعت مطہرہ کی حکمت بالغہ، مقاصد شریعت اور استنباط واستخراج، فقہ واجتہاد، دارالاسلام اور دارالحرب، تحریک ندوۃ، تحریک خلافت وترک موالات، وعظ وبیان اور تردید و ابطال، سفرِ آخرت، جدید علماے عرب کا ہدیۂ تبریک، فرعی اختلاف

کی نوعیت وحیثیت، وغیرہ جیسے مسائل وموضوعات پر امام اہل سنت کی فقیہانہ ومجتہدانہ شان پر دلائل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔

(7) امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں: کتاب کا نام ہی کتاب کی پوری کہانی بیان کر رہا ہے۔ مزید خود مصنف کی زبانی ملاحظہ کریں کہ اس میں کیا ہے؟۔ آپ لکھتے ہیں:

''امام احمد رضا، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے عشق و عرفان اور فضل وکمال کی شہادت، برصغیر ہند و پاک کا چپہ چپہ دے رہا ہے، جس کے کچھ نمونے آپ زیرنظر کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔ سیکڑوں مشاہیر علماے عرب وعجم کے خیالات و تاثرات کے بکھرے دانوں کو ایک لڑی میں پرو کر ایک وقیع اور جان دار تعارف کے ساتھ، ہم آپ کے ذوقِ نظارہ کو، دعوتِ عام دے رہے ہیں جس سے یقیناً آپ کی عقل وفکر کو روشنی اور قلب وروح کو بالیدگی وتوانائی، حاصل ہوگی''۔

(امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، ص 11۔12)

''نذرانہ اہل دانش'' اس عنوان کے تحت رئیس التحریر نے تقریباً ۶۷ اہل علم ودانش کے امام اہل سنت کے متعلق اقوال وتحریرات کو باحوالہ پیش کیا ہے۔ ''اعتراف حقیقت'' اس عنوان کے ذیل میں دیابنہ و وہابیہ وغیرہ کی ۱۱؍ سرکردہ شخصیات کے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے بارے میں اعتراف حقیقت کو جگہ دی گئی ہے۔ ''مشائخِ عظام'' سرخی کے ذیل میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے بارے میں 25 مشائخ عظام کے تاثرات کو محفوظ کیا گیا ہے۔ ''تجلیات حرمین'' کے ذیل میں امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کے متعلق 22 علماے حرمین شریفین کے مدحیہ کلمات شامل کیے گئے ہیں۔ ''جدید علماے عرب'' اس کے تحت 14 علماے عرب کے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے بارے میں قلبی تاثرات پیش کیے گئے ہیں۔

مذکورہ کتاب رضویات کے باب میں ایک عظیم اضافہ اور تعارف امام اہل سنت کا ایک انوکھا طریقہ ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب بہت زیادہ مقبول ومشہور ہوئی جس کی بین دلیل یہ ہے کہ 1977ء / 1397ھ سے 2018ء/ 1442ھ تک اس کے 12 ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ رئیس التحریر تحریر فرماتے ہیں:

''بِفَضْلِهٖ تَعَالیٰ، زیرنظر کتاب ''امام احمد رضا اربابِ علم ودانش کی نظر میں'' ہند و پاک کے دینی وعلمی حلقوں میں کافی مقبول ہوئی اور اب تک اس کے ایک درجن یا اس سے زائد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ مزید نظر ثانی اور کمپوزنگ کے ساتھ اس کا تازہ نسخہ، آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اِس کتاب کو پڑھ کر قاری کے ذہن میں امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے حالات وخدمات کا ایک پُرکشش اور دل نشیں نقش اُبھرتا ہے اور اس کے اندر مزید علم ومطالعۂ رضویات کی ایک خواہش اور جستجو پیدا ہو جاتی ہے جو اس کتاب کا اصل فائدہ اور اس کا بنیادی مقصد ہے۔ امام احمد رضا کے اَحوال اور بنیادی افکار وخیالات سے واقف ہونے کے ساتھ اس کتاب کا قاری، کچھ دیر کے لئے تصوراتی طور پر، اُس محفلِ ذکر وفکر ومجلس علم وحکمت و بزم فضل وکمال میں اپنے آپ کو موجود پاتا ہے''۔

(مصدر سابق، ص 12)

(8) معارف کنزالایمان: امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز سے قبل بھی اورلوگوں کے اردو زبان میں تراجم قرآن ملتے ہیں لیکن امام اہل سنت کے ترجمہ کردہ ترجمۂ قرآن ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کی نظیر اردو زبان کے تراجم قرآن میں نہیں ملتی جس نے تقدیس الوہیت اور شان رسالت کے تحفظ کا مکمل حق ادا کیا۔ ساتھ ہی یہ ترجمہ اپنے لفظی ومعنوی محاسن ومعارف کے اعتبار سے دیگر تراجم قرآن سے ممتاز ہے۔ کنزالایمان کے محاسن وکمالات پر کئی کتابیں لکھی گئیں ان میں سے ایک رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب کی ''معارف کنزالایمان'' ہے جو درحقیقت آپ کے مختلف مواقع پر لکھے گئے مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے۔ اس میں آپ نے کنزالایمان کا تعارف، عظمت توحید، عظمت رسالت کا احترام، کنزالایمان کے بعض محاسن وکمالات کا بیان، کنزالایمان کا دیگر اردو تراجم قرآن سے تقابلی جائزہ اور لفظ ''ذنب'' سے متعلق تحقیق پیش کی ہے۔

(۹) آفتاب وماہتاب: اس کتاب کو رئیس التحریر نے چودھویں صدی کی دو عظیم شخصیات امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی اور تاج دار اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خان نوری علیہما الرحمہ کے حیات وخدمات کے انوار وتجلیات سے ذہن وفکر کو جلا بخشنے کے لیے تحریر فرمایا ہے۔

☆

(ص ۶۲ کا باقی) حضور نباضِ قوم اور حضور تاج الشریعہ نے اس سلسلہ میں کتب ورسائل تحریر فرمائے اور جاندار کی تصویر کی حرمت کے حوالے سے خوب لکھا۔ بیانات اور تقاریر کے ذریعے بھی اس کی حرمت کو بیان فرمایا۔ یوں ان حضرات قدسیہ نے تصویر کے خلاف مسلسل جہاد فرمایا۔ یہ خوبی بھی حضور نباضِ قوم اور حضور تاج الشریعہ کو اپنے معاصرین میں ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔ خدا کرے کہ موجودہ علمائے کرام، پیرانِ عظام بھی ان حضراتِ قدسیہ کی پیروی کرتے ہوئے جاندار کی تصویر کے خلاف جہاد فرمائیں تاکہ اس فتنۂ عظیمہ جس میں علمائے کرام، پیرانِ عظام اور عوام وخواص بُری طرح مبتلا ہو چکے ہیں، کا سدِّ باب ہو اور وہ بڑے گناہ سے بچ جائیں۔

خطوط کا جواب: سیدی نباضِ قوم مریدین، مسترشدین، علمائے کرام، عوام اہلِ سنت ودیگر لوگوں کے خطوط جو وہ آپ کو لکھتے، اُن کا جواب ضرور برضرور تحریر فرماتے۔ یہ بندہ کے نزدیک حضور نباضِ قوم کی ایسی خوبی اور صفتِ حسنہ ہے کہ جس سے فی زمانہ بہت سے چنیں وچناں کہلانے والے محروم ہیں۔ برادرانِ طریقت کے علاوہ علمائے کرام، پیرانِ عظام کے پاس نباضِ قوم کے لکھے ہوئے خطوط، فقیر کے پاس بھی فقیر کو لکھے ہوئے چند خطوط اور علامہ محمد حسن علی رضوی میلسی کے پاس ایک ہزار کی تعداد میں حضرت صاحب قبلہ کے لکھے خطوط محفوظ ہیں۔ اہلِ محبت سے فقیر کی اپیل ہے کہ حضور نباضِ قوم کے تمام مکاتیب کی جمع وتدوین کا کام شروع کیا جائے کیونکہ اِن خطوط میں علم وحکمت کے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان کی اشاعت سے یہ بھی فائدہ ہوگا کہ حضور نباضِ قوم کی جامع اور مفصل سوانح حیات کی ترتیب میں ان سے بہت مدد حاصل ہوگی۔ فقیر کی تمنا ہے کہ اس تاریخی کام کیلئے پروفیسر محمد عطاء الرحمٰن رضوی زید مجدہٗ کو منتخب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ اس کام کو بحسن وخوبی سرانجام دیں گے۔

حجۃ الاسلام کا مناظرۂ لاہور

از۔ مفتی محمد ذوالفقار خاں نعیمی، نوری دارالافتاء، مدینہ مسجد کاشی پور اتراکھنڈ

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان محدث بریلوی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام علامہ مفتی محمد حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بریلی شریف میں ماہ نور ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوئے۔ محمد نام اور حامد رضا عرف تجویز کیا گیا۔ والد گرامی کی آغوش محبت میں تربیت پائی اور ان ہی کی بارگاہ علم میں رہ کر علوم وفنون کے جملہ منازل طے فرمائے۔ سرکار نور حضرت سیدنا شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں مارہروی قدس سرہ سے اعلیٰ حضرت نے اپنے بڑے شہزادے کو مرید کرایا۔ اعلیٰ حضرت سے بھی آپ کو اجازت وخلافت حاصل تھی اور سرکار نوری میاں سے بھی ۔ ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ/ ۲۳ر مئی ۱۹۴۳ء بروز اتوار رات کو آپ کا وصال ہوا اور آستانہ اعلیٰ حضرت میں ہی آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ نے پوری زندگی احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا۔ رد وہابیہ اور دیابنہ میں آپ اپنے والد گرامی کے عکس جمیل تھے۔ یہاں ہم آپ کے مناظرۂ لاہور کی مختصراً تفصیل بیان کر رہے ہیں۔

مناظرۂ لاہور: حجۃ الاسلام اور مولوی اشرفعلی تھانوی کے مابین لاہور ''مسجد وزیر خاں'' میں ۳۱ر جنوری ۱۹۳۴ء/ ۱۵ر شوال المکرّم ۱۳۵۲ھ بدھ کے دن مناظرہ طے ہوا۔ فریقین کی طرف سے یہ بھی طے ہوا کہ جو بھی مناظرہ گاہ میں حاضر نہ ہوگا اس کی شکست تسلیم کی جائے گی۔ ہاں البتہ کسی وجہ سے اگر وہ نہ حاضر ہو سکے تو اپنا وکیل مطلق بنا کر کسی کو مناظرہ کے لئے پیش کرے۔ مقررہ تاریخ میں حجۃ الاسلام اور علمائے اہل سنت اور چند دیوبندی علماء مناظرہ گاہ میں صبح ۱۰ر بجے تک اکٹھا ہو گئے مگر تھانوی صاحب نہیں پہنچے اور نہ ان کا کوئی وکیل وماذون مطلق مناظرہ گاہ میں آیا۔ ہاں! مولوی منظور نعمانی چند لوگوں کے ساتھ مناظرہ گاہ میں آئے اور وکالت نامہ دکھایا جو مجوزہ شرطوں کے مطابق نہ تھا مگر پھر بھی مولوی منظور نعمانی کو مناظرہ کی اجازت دے دی گئی اور حجۃ الاسلام بنفس نفیس وہاں موجود تھے۔ مولوی منظور نعمانی چونکہ آپ کا مخاطب ومقابل نہ تھا اس لئے آپ نے حضرت شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں کو وکیل مطلق بنا کر منظور نعمانی سے مناظرہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور پھر مناظرہ شروع ہوا۔ کچھ دیر گزری کہ حالات بایں رسید کہ مولوی منظور نعمانی بھی بہانہ کر کے مناظرہ گاہ سے فرار ہو گئے اور اس طرح اہل سنت و جماعت کو خاص کر حجۃ الاسلام کو ایک عظیم فتح اللہ کے فضل سے نصیب ہوئی۔ پورے لاہور میں اہل سنت کے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور دیوبندی گروہ ذلیل ورسوا ہو کر ماتم کناں ہو گیا۔

حجۃ الاسلام کو اہل سنت کی طرف سے مبارکبادی کے ہدیئے پیش کئے جانے لگے۔ چند دن آپ وہاں ٹھہرے اور پھر آپ، مفتی اعظم ہند اور چند علماء، پنجاب پہنچے اور پھر وہاں سے مراد آباد پہنچے

جہاں صدر الافاضل کی معیت میں ہزاروں لوگوں نے آپ کا زبردست شایان شان استقبال کیا۔گل پوشی اور گل پاشی کی گئی۔اسٹیشن سے ''جامعہ نعیمیہ'' تک جلوس نکالا گیا۔جامعہ نعیمیہ پہنچ کر مجمع عام میں صدرالافاضل نے مراد آباد آنے پر آپ کا شکریہ ادا کیا اور مناظرہ میں آپ کی کامیابی کا تفصیلی ذکر فرمایا۔جواب میں آپ نے بھی شکریہ ادا کیا اور پھر یہ مختصرسی مجلس، دعا پر ختم کردی گئی اور رات کو جلسے کا اعلان کر دیا گیا۔''ماہنامہ السوادالاعظم'' سے اس کی روداد ملاحظہ ہو۔

''مناظر لاہور میں اہل سنت کی بین وابین کامیابی کی پیہم اطلاعات جو مراد آباد میں پہنچ رہی تھیں انہوں نے مسلمانان مراد آباد کو حضرت حجۃ الاسلام، پیشوائے اہل سنت، عالم اجل، فاضل انجل حضرت مولانا الحاج المولوی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب دامت برکاتہم کے دیدار کا آرزومند بنا رکھا تھا۔دیدار فرحت آثار کے تمنائی گھڑیاں گن رہے تھے۔حضرت ممدوح کی خدمت میں استدعا کی گئی تھی کہ پنجاب سے واپس ہوتے وقت اخلاص کیشان مراد آباد کو دیدار سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع عنایت فرمائیں۔۹رفروری کو شب کے ۱۰ ربجے تار سے اطلاع ملی کہ حضرت ممدوح صبح ۷ ربجے پنجاب میل سے رونق افروز ہونگے۔موسم سرما میں ۱۰ ربجے شب کو لوگ سوجاتے ہیں، کسی کو اطلاع دینے اور خبر کرنے کا موقع بھی نہ تھا لیکن باوجود اس کے صبح کو میل کے پہنچنے کے وقت مسلمانوں کی کثیر تعداد جس میں عمائد وعلماء اور ہر طبقہ کے مسلمان تھے،اسٹیشن پر موجود تھے۔والنٹیئر وں کی ایک جماعت جھنڈیاں لئے ہوئے منشی شوکت حسین صاحب شوکتؔ کی سرکردگی میں صف بستہ حاضر تھی۔مجمع دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ بڑے اہتمام بلیغ سے حضرت کی تشریف آوری کا اعلان کیا گیا ہے۔گاڑی آئی اور حضرت حجۃ الاسلام اور آپ کے برادر حقیقی مفتی (اعظم) ہند حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب دام مجدہ اور جناب مولانا مولوی عبدالحق صاحب رئیس پیلی بھیت رونق افروز ہوئے۔مرحبا کی صداؤں اور تکبیر کے نعروں سے فضا گونج اٹھی۔پھول نثار کئے گئے اور موٹروں میں آپ کا جلوس اسٹیشن سے روانہ ہو کر بازار شاہی مسجد اور منڈی چوک سے گزرتا ہوا مدرسہ عالیہ اہل سنت و جماعت مراد آباد میں پہنچا۔موٹر آراستہ کئے گئے تھے۔راستہ میں جا بجا مدحیہ نظمیں خوش آواز سے پڑھی جاتی تھیں۔لوگ پھول برساتے تھے۔عطر اور پان پیش کرتے تھے۔ہجوم کثیر تھا۔بڑے شان وشکوہ کے ساتھ حضرت کی سواری مدرسہ میں پہنچی، تمام مجمع بیٹھ گیا اور حضرت صدر الافاضل مولانا مولوی حافظ حکیم محمد نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم نے مسلمانان مراد آباد کی طرف سے حضرت حجۃ الاسلام اور ان کے برادر حضرت مفتی (اعظم) ہند کی تشریف آوری و رونق افروزی کا شکریہ ادا کیا اور آپ کی دینی خدمات اور حمایت ملت کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کے طول حیات و کثرت فیوض و برکات کی دعا کی۔حضرت حجۃ الاسلام نے نہایت فصیح عبارت میں حضرت صدر الافاضل مدظلہ کی تقریر کا اظہار تشکر و امتنان کے ساتھ جواب دیا۔پھر مدحیہ نظمیں پڑھی گئیں۔جلسے نے بہت داد دی۔یہ مجلس دعا پر ختم ہوئی اور شب کے جلسے کا اعلان کر دیا گیا''۔

(ماہنامہ السوادالاعظم، مراد آباد، ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ ص ۲۸، ۲۹)

واقعۂ مناظرۂ لاہور کی روداد صدر الافاضل کی زبانی: رات

کو ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جس میں صدر الافاضل نے حجۃ الاسلام کے مناظرۂ لاہور کے حوالہ سے تفصیلی خطاب فرمایا۔ باذوق قارئین کے لئے صدرالافاضل کی تقریر پیش ہے۔ آپ نے فرمایا:

''مولوی اشرفعلی صاحب کی حیثیت ایک ملزم کی حیثیت ہے۔ جس پر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب قدس سرہ نے حکم شرع جاری فرمایا اور علمائے مکہ ومدینہ وغیرہ نے اس کی تصدیق کی۔ کسی مجرم کو حق نہیں ہے کہ وہ حاکم شرع کو مناظرے کی دعوت دے۔ باوجود اس کے بار بار مولوی اشرفعلی صاحب سے ان کی مراد دریافت کی گئی اور وہ سالہا سال میں بھی اپنے کلام کی کوئی ایسی توجیہ نہ پیش کر سکے جو انہیں کفر سے بچاسکتی۔ اب حکم شرع جاری ہو جانے کے بعد ان کے لئے صرف یہی گنجائش باقی رہتی ہے کہ وہ اپنے ان کفری کلمات سے بالاعلان، بے دریغ، صاف اور واضح طور توبہ کریں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو ان سے متارکت کر دینی چاہئے۔ ان کی جماعت پر بھی یہی لازم ہے کہ وہ انہیں توبہ کرنے پر مجبور کریں تا کہ ان کی عاقبت بھی درست ہو اور ہندوستان کے مسلمان اس خانہ جنگی سے بھی امن پائیں جو تھانوی صاحب کی ہٹ اور ضد کی بدولت مسلمانوں کو برباد کر رہی ہے۔ اللہ کے سامنے سرنیاز جھکانا اور اس کے حضور توبہ کرنا بندے کے لئے شرم کی بات نہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ نہ مولوی اشرفعلی صاحب اس وقت تک توبہ پر آمادہ ہوئے اور نہ ان کی جماعت نے انہیں اس پر مجبور کیا بلکہ بجائے اس کے وہ رات دن شرانگیزی اور تفرقہ پردازی میں سرگرم رہتے ہیں۔

شعبان میں ''حزب الاحناف'' لاہور کے سالانہ جلسے تھے، ابھی وہاں علمائے اہل سنت پہنچ بھی نہ پائے تھے کہ دیوبندی صاحبوں نے مناظر کی دعوت دے دی اور فیصلہ کن مناظرے کے اعلان شائع کر دیئے۔ ''حزب الاحناف'' کے اراکین نے مسلمانوں کو اس پروپیگنڈے کے زہریلے اثر سے بچانے کے لئے دیوبندیوں کی دعوت مناظرہ کو منظور کرلیا لیکن باوجود کہ دیوبندی جماعت نے مولوی منظور سنبھلی اور مولوی اسمٰعیل سنبھلی کو بلا لیا تھا پھر بھی وہ مناظرہ کے لئے آمادہ نہ ہوئے اور انہوں نے بجائے گفتگوئے مناظرہ کے التوائے مناظرہ کی رائے پیش کی اور کہا کہ ۱۵رشوال کو حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی کے درمیان مناظرہ ہو جائے۔ ان دونوں صاحبوں میں ہر ایک کو اختیار ہے کہ خواہ وہ خود مناظرہ کریں یا مناظرہ کے لئے اپنا وکیل مقرر کریں۔ جو فریق بھی مناظرہ کے لئے نہ آئے اور اپنا وکیل بھی نہ بھیجے اس کی شکست سمجھی جائے گی اور اس کے ہم خیال اس کو چھوڑ دیں گے۔ اس قرار داد کے منظور ہونے کے بعد ایک دنیا اس فیصلہ کن مناظرہ کی منتظر تھی اور ۱۵رشوال کا، ہر حصۂ ملک میں بے چینی سے انتظار ہو رہا تھا۔ دیوبندی جماعت نے اپنے آپ کو مناظرہ سے بچانے کی بہت کوششیں کیں۔ کہیں تو اپنے ہم خیال اخبار ''انقلاب'' میں مناظرہ کے خلاف مضمون چھپوائے اور مناظرہ روکنے اور بیریکیٹنگ لگانے کے لئے نوجوانوں کو ابھارا، کہیں ثالثوں کی خوش آمد درآمد کر کے انہیں مجبور کیا کہ وہ مجمع عام میں آنے پر راضی نہ ہوں اور جب دیکھا کہ اہل سنت کسی طرح چھوڑنا نہیں چاہتے، وہابیوں کی اس تجویز پر بھی راضی ہیں کہ دس دس آدمیوں میں مناظرہ ہو جائے تو انہوں نے ثالث سے ایسے مجمع خاص سے بھی انکار کر دیا۔ ''سر اقبال'' (ڈاکٹر اقبال) کی تحریر اس انکار کی موجود ہے جو لاہور میں

۱۶؍شوال کو مجمع عام میں پڑھ کر سنادی گئی۔

یہ بھی تدبیر نہ چلی اور حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب دام مجدہ نے لاہو پہنچ کر اپنی تشریف آوری کا اعلان شائع فرمایا اور یہ شائع فرمایا کہ ۱۵؍تاریخ ۱۰؍بجے دن کے مولوی اشرفعلی صاحب یا ان کا وکیل مجاز مقام مناظرہ ''مسجد وزیر خاں'' میں حاضر ہو۔ جا بجا سے ہزار ہا آدمی اس مناظرے کے دیکھنے کے لئے آئے۔ بجبوری وہابیہ کی جماعت کو مقام مناظرہ میں پہنچنا پڑا۔ ان میں کچھ تو مولوی احمد علی وغیرہ پنجاب کے حامیان دیوبندیت تھے اور مولوی منظور سنبھلی اور مولوی ابوالوفاء شاہجہاں پوری یوپی سے گئے ہوئے تھے۔

مولانا مفتی سید احمد صاحب ناظم حزب الاحناف نے مجمع میں فرمایا کہ میرے اور دیوبندیوں کے درمیان جس مناظرہ کی قرار داد تھی آج اس کی تاریخ آگئی اور الحمدللہ! اہل سنت کے پیشوائے جلیل حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب دامت برکاتہم مع جماعت کثیرہ علمائے اہل سنت کے جلسے میں رونق افروز ہیں۔ فریق مقابل، مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی یا ان کے وکیل مجاز کو پیش کرے جس کو انہوں نے اپنی طرف سے باضابطہ مناظرہ کا وکیل بنایا ہو اور سند وکالت مہری و دستخطی بھی ہو۔ مجمع منتظر تھا کہ مولوی اشرفعلی صاحب کا کوئی وکیل پیش ہو کیوں کہ یہ تو سب کو معلوم تھا کہ مولوی اشرفعلی صاحب خود تو نہیں آئے ہیں لیکن اس وقت دیوبندی صاحبان کسی کو ان کے وکیل کی حیثیت سے بھی پیش نہ کر سکے۔ ایک میلا سا کاغذ نکال کر دکھایا جس میں چار وہابی مولویوں کو عبارت ''حفظ الایمان'' کی تفہیم کے لئے کیل بنانے کا ذکر تھا۔ یہ تحریر مولوی اشرفعلی صاحب کی بتائی جاتی تھی۔ وہابیوں کی ہمت پر آفرین ہے کہ انہوں نے اس تحریر کو وکالت مناظرہ کی سند قرار دے کر مجمع عام میں پیش کر دیا۔ اس پر مجمع میں جوان کی ہوا خیزی ہوئی اور حاضرین نے اس خفیف الحرکاتی کو جس نظر سے دیکھا اس سے لاہور کا بچہ بچہ واقف ہے اور وہابیوں میں اگر کوئی غیرت مند ہے تو اس وقت کی ذلت کو کبھی فراموش نہ کرے گا۔

اہل سنت کی طرف سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ مناظرہ کا وکالت نامہ لاؤ! تفہیم و وعظ گوئی کی وکالت کا کوئی کام نہیں۔ لیکن وہاں تھانوی صاحب نے مناظرہ کا وکیل ہی کس کو کیا تھا جو کوئی مناظرہ کا وکالت نامہ پیش کر سکتا۔ اِدھر سے مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ لاؤ! وکیل مناظرہ دکھاؤ! مناظرہ کا وکالت نامہ! لیکن جب وہ نہ دکھا سکے اور مجمع نے دیکھ لیا کہ مولوی اشرفعلی صاحب نے کسی کو مناظرہ کا وکیل نہیں بنایا ہے اور نہ کوئی تحریر وکالت مناظرہ کی لکھی ہے تو مولوی حشمت علی صاحب نے فیصلہ کن مناظرہ کی مسلّم اور مانی ہوئی مقبول فریقین فتح کا اعلان کر دیا کہ الحمدللہ! یہ اہل سنت کی بین و ابین فتح ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب تشریف فرما ہیں اور نہ مولوی اشرفعلی صاحب خود آئے اور نہ انہوں نے کسی کو مناظرہ کا وکیل بنا کر بھیجا۔

یہ وہ حقیقت ہے جس پر کسی طرح پردہ نہیں ڈالا جا سکتا۔ پنجاب میں تو دیوبندیوں کی اس شکست کا افسانہ بچے بچے کی زبان پر ہے اور لاہور کے ہزار ہا مسلمانوں نے وہابیوں کی اس بے کسانہ شکست کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ دوسرے مقامات کے مسلمانوں کو وہابی مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن اس کا

کیا جواب ہے کہ جب مولوی اشرفعلی صاحب نہیں آئے تو ان کی طرف سے کسی شخص کے نام مناظرہ کا وکالت نامہ ہوتا۔ جب اس کو بھی وہابی نہ پیش کر سکے اور نہ آج پیش کر سکتے ہیں تو وہ کس منہ سے اس شکست کا انکار کریں گے؟ بلکہ اس کے بعد وہابیہ نے مولوی منظور سنبھلی کو اپنی طرف سے مولوی اشرفعلی کا وکیل مقرر کر کے عملاً اعتراف کر لیا کہ مولوی اشرفعلی کی طرف سے کوئی شخص بھی مناظرہ کے لئے وکیل نہیں کیا گیا تھا۔ پھر مولوی منظور کو وکیل مقرر کرنے کے لئے جو عبارت خود وہابیہ نے لاہور میں لکھی وہ بتاتی ہے کہ مناظرہ کے وکالت نامہ کی یہ عبارت ہونا چاہئے اور جب مولوی اشرفعلی نے یہ عبارت لکھ کر نہیں دی تو یہ دعویٰ کرنا کہ انہوں نے کسی شخص کو مناظرہ کا وکیل بنایا، محض غلط اور فریب دہی ہے۔

پھر وہابیوں کے مقرر کردہ وکیل مولوی منظور بھی دو روز شرائط ہی میں الجھتے رہے اور اشتعال انگیزی کی باتیں کر کے کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح فساد ہو جائے۔ کسی طرح مناظرہ سے جان بچے۔ بالآخر اپنے فریق کی طرف سے امن کی ذمہ داری اٹھانے کا اعلان کرا کے چلتے ہو گئے اور پولیس کو اپنی خفت وفرار کی آڑ بنایا۔ تمام مجمع ویسے ہی قائم رہا۔ اہل سنت کے شام تک اور شام کے بعد رات کے تین بجے تک جلسے ہوتے رہے اور کوئی چوں کرنے والا ہی نہ تھا۔

مولوی منظور اور مولوی اسمٰعیل اور مولوی ابوالوفاء کا مولوی حشمت علی کے مقابلے سے بھاگ جانا اور مجمع عام سے بدحواس ہو کر اس طرح چل پڑنا کہ نہ سلام، نہ کلام، نہ یہ گفتگو کہ کیوں جاتے ہو، کہاں جاتے ہو، قیامت تک لوٹیں گے یا نہ لوٹیں گے، یہ کوئی چیز بھی مولوی حشمت علی صاحب کے لئے قابل فخر نہیں ہے، کیونکہ وہابیہ کی اس جماعت میں کوئی ایک بھی ان کے مقابلہ کا نہ تھا۔ مولوی منظور کو بار بار ان کے مقابلہ میں شکست ہو چکی ہے۔ لیکن اگر مولوی اشرفعلی بھی آتے اور وہ بھی اس طرح بھاگتے یا بالکل لاجواب ہو کر رہ جاتے تو بھی ہمارے لئے یہ بات کچھ قابل فخر نہ تھی۔ ہماری تمام نقل و حرکت اور ہمارے اس اجتماع اور محنت کی غایت صرف اتنی ہی تھی کہ وہابیہ اپنی غلطی کو محسوس کریں اور تائب ہو جائیں۔ اگر انہیں اس کی توفیق ہوتی اور وہ انصاف اور خدا ترسی کے ساتھ جرأت و دلیری سے اعتراف قسور کر کے سچی توبہ کرتے تو اس سے ہندوستان کی خانہ جنگی مٹ جاتی اور یہ بات ہمارے لئے قابل مسرت ہوتی۔ اس مجمع سے صرف اتنا فائدہ تو ہوا کہ بہت سے عوام جو ان صاحبوں کی صورتوں سے دھوکہ کھائے ہوئے تھے ان پر ان کی حقیقت حال کھل گئی لیکن ہمارا مطمح نظر اس سے بھی بلند ہے اور ہم اب تک یہی چاہتے ہیں کہ کوئی صورت ایسی ہو کہ تھانوی صاحب اپنے کلمات کی شناعت پر نظر کریں اور قائل ہوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کی خانہ جنگی مٹ جائے۔ تھانوی صاحب اپنی ہٹ پر ہیں۔ اپنی ضد پر ہیں۔ اب تک توبہ کی طرف مائل نہیں۔ نہ ان کی جماعت ان پر توبہ کے لئے زور ڈالتی ہے۔ ایسے حالات میں بجز اس کے کیا چارۂ کار ہے کہ مسلمان اس جماعت سے ترک تعلقات لازم سمجھیں اور اپنے آپ کو وہابیوں کی شرر افشانیوں سے محفوظ رکھیں''۔ الخ

(ماہنامہ السواد الاعظم، بابت ماہ ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ ص ۲۹ تا ۳۳)

الغرض صدر الافاضل کی مذکورہ تقریر سے لاہور میں حجۃ الاسلام کے ذریعہ اہل سنت کی فتح و نصرت اور حقانیت اور وہابیہ اور پیشوائے وہابیہ تھانوی جی کی ذلت آمیز شکست کا حال واضح طور پر منکشف ہو گیا اور حجۃ الاسلام اور صدر الافاضل کے مابین تعلقات کا بھی پتہ چل گیا۔

(ماخوذ از۔ سوانح صدر الافاضل جلد اول ص ۲۶۸ تا ۲۷۸)

نباضِ قوم کی ناقابلِ فراموش یادیں

از۔مولانا محمد جاوید اقبال قادری (کھارامیگا نارووال، پاکستان)

میرے آقائے نعمت، نباضِ قوم، فخرِ ملتِ اسلامیہ، ولی کامل قبلہ مفتی ابوداؤد محمد صادق قادری رضوی کی عظیم وجلیل ذاتِ مبارکہ وشخصیتِ مقدسہ محتاجِ تعارف نہیں۔اللہ کریم کے فضل وکرم، حضور سید الانبیاء ﷺ کی نگاہِ عنایت اور اکابرینِ اہلِ سنت بالخصوص سیدی اعلیٰ حضرت تاجدارِ بریلی، سیدی امیر ملت محدثِ علی پوری، سیدی فقیہِ اعظم محدث کوٹلوی اور سیدی محدثِ اعظم پاکستان کے فیض وبرکت سے سیدی نباضِ قوم علم وفضل، ولایت اور دیگر صفاتِ حسنہ کے بلند وبالا مقام پر فائز تھے، جس کا اندازہ اپنے تئیں چنین وچناں کہلانے والوں کے بس کا روگ نہیں اور اس حوالے سے حضرت صاحب قبلہ کے ان درجات ومقامات عالیہ تک پہنچنا تو کجا، وہ لوگ آپکے گردراہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

☆ سیدی ومرشدی نباضِ قوم کی امتیازی خصوصیات میں سرِ فہرست یہ ہے کہ آپ نے مسلکِ اعلیٰ حضرت کو اصول وفروع سمیت مانا اور پھر تن دہی سے اس مسلک حق کی ترویج واشاعت کو ساری زندگی (تادمِ آخریں) اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔وقت کے ظالم وجابر اور تیس مارخاں قسم کے متکبر لوگوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمۂ حق بلند کیا اور اُن کی بے راہ روی اور اسلام مخالف طرزِ عمل پر بغرضِ اصلاح خوب نقد ونظر کیا۔کلمۂ حق کی وجہ سے جیل کی سلاخوں کے پیچھے گئے اور قید وبند کی صعوبتوں کے باوجود بھی اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے، ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے اور پہلے دن جس منہج وراہ کو اختیار کیا، تادمِ آخریں اُسی پر گامزن رہے وغیرہ وغیرہ۔اِنہی نمایاں خصوصیات کی وجہ سے بفضلہٖ تعالیٰ حضور نباضِ قوم اپنے معاصرین میں بے مثال اور لاجواب تھے اور آپ کا وجود باجود مسلک اہلِ سنت وجماعت (مسلک اعلیٰ حضرت) کے ماننے والوں کے لئے اللہ کریم کا انمول تحفہ اور عطیہ تھا۔اب مَیں اپنے آقائے نعمت کے حوالے سے اپنے مشاہدات (کچھ یادیں، کچھ باتیں) عرض کرتا ہوں۔

خلوص وللّٰہیت: اللہ کریم نے اپنے محبوب کریم ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے حضور نباضِ قوم کو خلوص وللّٰہیت کی دولتِ فراواں سے خوب نوازا تھا۔یہ ایسی خوبی وصفت ہے کہ ہر مسلمان کو اس کے حصول کیلئے اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا کرتے رہنا چاہیے۔حضرت صاحب قبلہ کا ہر کام خلوص وللّٰہیت پر مشتمل ہوتا تھا۔

☆ مئی ۱۹۹۳ء میں فقیر کے گاؤں کھارا میں بعد از نمازِ ظہر ایک عظیم الشان محفلِ پاک کا انعقاد کیا گیا، جس میں شیخِ کامل جلوہ گر ہوئے۔حضور کا نورانی وجدانی، روحانی اور دیگر بہت سی خوبیوں پر مشتمل خطابِ ذیشان ہوا جو کہ بہت متاثر کن تھا۔بعض سامعین نے اپنی کوتاہیوں، غلطیوں کی اصلاح کا عہد بھی کیا۔بعدازاں فقیر کی درخواست پر فقیر کے غریب خانہ میں بھی جلوہ گر ہوئے اور دعائے خیر فرمائی۔راستے میں بیٹھی عورتوں کو پردہ وحیا کی تلقین اور نصیحت فرماتے رہے۔بعد میں فقیر اور فقیر کے تایا زاد بھائی دلاور حسین رضوی نے آپکی خدمت میں مبلغ ۵۰۰ روپے بطورِ نذرانہ پیش کئے، حضور نے لینے سے پس وپیش کیا اور فرمایا ”آپ کون سے برسرِ روزگار ہیں لہٰذا یہ ضروری نہیں“، لیکن ہم دونوں بھائیوں نے نذرانہ کو قبول کرنے کے حوالے سے اصرار کیا تو پھر آپ نے ہماری دلجوئی کرتے ہوئے قبول فرلیا۔اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں، اگر وہ سب سپردِ قلم کئے جائیں تو مضمون بہت زیادہ طویل ہوجائے گا، اس حوالے سے صرف ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں۔

☆ مرشدِ کریم کے وصال مبارک کے بعد فقیر نے بذریعہ فون اس

حوالے سے لاہور میں مقیم جناب پروفیسر محمد عرفان بٹ صاحب کو آپ کے وصال پُر ملال کی اطلاع دی اور اُن سے عرض کیا کہ ''آپ حضور نباضِ قوم کے حوالے سے اپنے تاثرات بیان کریں'' تو انہوں نے حضرت صاحب کی تحسین فرماتے ہوئے بطورِ خاص ایک واقعہ بیان کیا کہ: انہوں نے لاہور میں ایک جلسے کا پروگرام بنایا اور اس میں دیگر علمائے کرام کے ساتھ ساتھ حضور نباضِ قوم کو بھی خصوصی دعوت پیش کی، چنانچہ حضور نے اس جلسے میں خطابِ ذیشان فرمایا۔ پروگرام بڑا کامیاب رہا۔ انہوں نے بھی آپ کو نذرانہ پیش کرنا چاہا، اس پر آپ نے فرمایا کہ ''پہلے ہی جلسے کے انتظام وانصرام کے حوالے سے آپ نے بہت زیادہ اخراجات کیے، لہٰذا مجھے نذرانہ دینا ضروری نہیں''۔ یوں آپ نے نذرانہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس طرح کے بہت سارے واقعات ہیں، جن کے شاہد دیگر برادرانِ طریقت اور سنی احباب ہیں۔ بہر حال ان واقعات سے ظاہر و باہر ہے کہ حضور نباضِ قوم جو بھی دینی کام سرانجام دیتے، اُس میں خلوص وللٰہیت ہی کارفرما ہوتی تھی۔ آج اسی خوبی اور صفتِ حسنہ سے متصف ہونے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ بہت سے ''علماء اور پیر'' کہلانے والے اس دولتِ عظمیٰ سے محروم ہیں۔ اللہ کریم بتوسل محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اُنہیں بھی اِس دولت سے مالا مال فرمائے اور یوں صحیح معنوں میں وہ علماء اور پیر بنیں۔

اعلائے کلمۃ الحق: یہ ایسی خوبی ہے جو سیدی نباضِ قوم میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ اس حوالے سے آپ کے معاصرین میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے۔ تحریر وتقریر کے ذریعے دنیا بھر کے مسلم اربابِ اقتدار کی غفلتوں، کوتاہیوں اور اُن میں سے بعض کی خلافِ اسلام حرکات وسکنات کی ببانگ دُہل اصلاح فرمائی۔

☆ حضور محدثِ اعظم پاکستان کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر فقیر نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ اُس وقت کے گورنر پنجاب شاہد حامد بھی صاحبزادۂ والاشان حاجی محمد فضل کریم رضوی کی دعوت پر عرس مبارک میں حاضر ہوئے۔ وہ تقریر کرنے لگے تو اُن کے ساتھ آئے ہوئے میڈیا والے جب ویڈیو بازی وفوٹوسازی کا سلسلہ شروع کرنے کیلئے پَر تولنے لگے تو اُن کو گورنر صاحب کی موجودگی میں سب سے پہلے میرے آقائے نعمت، نائب محدثِ اعظم پیر ابوداؤد محمد صادق صاحب نے سختی سے منع کیا اور رُوکا اور اس سلسلے میں بھرپور احتجاج کیا۔ بعدازاں اس احتجاج میں اکثر سنی رضوی برادران طریقت بھی شامل ہوگئے اور اس طرح یہ ناجائز کام روک دیا گیا۔

☆ سیدی نباضِ قوم نے طاقت کے نشے میں بدمست لوگوں کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کا مشکل ترین فریضہ بکمال حسن وخوبی سرانجام دیا اور اس بات کی ہرگز پرواہ نہ کی کہ جواباً اُس کا ردِّ عمل کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو کلمۂ حق کی پاداش میں قید وبند کی صعوبتوں اور سختیوں کا بھی سامنا کرنا پڑا، جنہیں آپ نے نہایت پامردی، جرأت اور صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ قید وبند کی اِن صعوبتوں اور سختیوں کے باوجود بھی اپنے مؤقف پر قائم رہتے ہوئے تقریر وتحریر کے ذریعے فرماتے رہے۔

بلاشبہ! اعلائے کلمۃ الحق والی خوبی میں بھی میرے آقائے نعمت اپنی مثال آپ ہیں۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشآء۔

عاجزی اور انکساری: یہ ایسی خوبی ہے کہ حدیث مبارک میں اس کی شان وعظمت بیان کی گئی ہے اور اس کی خوب تحسین فرمائی گئی ہے۔ مسلم شریف کی حدیث کا مفہوم ہے کہ اور کوئی شخص اللہ کے لئے انکساری نہیں کرتا مگر اللہ اسے بلندی دیتا ہے۔

اس حدیث مبارک سے ظاہر ہے کہ عاجزی اور انکساری کتنی بڑی دولت ہے۔ جس میں یہ خوبی پائی جاتی ہے تو اسی وجہ سے اللہ کریم اُسے بلندی عطا فرماتا ہے۔ اس خوبی سے فی زمانہ اکثر لوگ محروم ہیں۔ اس کے برعکس ضد، تکبر اور غرور کو وہ اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے

ہوئے ہیں۔ اللہ کے بندوں کو حقیر و ذلیل سمجھتے ہیں۔

☆ سیدی نباضِ قوم کو اللہ کریم نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے توسل سے بہت زیادہ کمالات سے نوازا تھا۔ علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور ولایت میں اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے باوجود اتنی عاجزی انکساری کا مظاہرہ فرماتے کہ لوگ حیرت میں گم ہو جاتے کہ اتنی عظیم وجلیل شخصیت اور عاجزی وانکساری کا یہ عالم۔ یہ چیز دیکھنے والوں کو بہت متاثر کرتی، بعض خوش نصیب تو اِسی وجہ سے آپ ہی کے ہو کر رہ جاتے، یعنی سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ صادقیہ میں داخل ہو جاتے اور ساری عمر آپ کی غلامی پر فخر کرتے۔

☆ آج کل بعض ''مشائخ اور علماء'' میں القاب وآداب کے حوالے سے بڑی مقابلہ بازی اور معرکہ آرائی جاری ہے۔ حضور نباضِ قوم کے وصال باکمال کے بعد یہ سلسلہ اور شدت اختیار کر گیا ہے۔ اگر کوئی بُرا نہ مانے تو فقیر یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ یہ سلسلہ وبا کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ بہت سے پیر اور علماء کہلانے والے اپنے القاب وآداب خود بتاتے یا لکھ کر دیتے ہیں کہ ''جب جلسہ ومحافل وغیرہ کے اشتہار یا فلیکس وغیرہ چھپوائیں تو ان القاب وآداب کو ہمارے ناموں کے ساتھ ضرور لکھا کریں'' اور اگر کوئی ان آداب و القاب کو نہیں لکھواتا تو '' آنجناب'' کے غیض وغضب کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ پھر ایسا ہوتا ہے کہ '' آنجناب'' جلسے میں تشریف لانے سے ہی انکار کر دیتے ہیں، اُن کی اس مذموم روش اور انداز کا عوام اہلِ سنت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے کہ وہ علماء مخالف رویہ اختیار کر لیتے ہیں، لہٰذا علمائے کرام اور پیرانِ عظام کو اپنی اس روش کے حوالے سے ضرور نظر ثانی اور اصلاح کرنی چاہیے تاکہ حالات مزید خراب ہونے سے بچ جائیں۔

☆ خیر! یہ باتیں تو جملہ معترضہ کے طور پر تھیں۔ آمدم برسر مطلب! عالمِ باعمل سیدی نباضِ قوم بے عمل '' علماء اور مشائخ'' کے برعکس عاجزی اور انکساری کا حَسین پیکر ونمونہ تھے اور بفضلہٖ تعالیٰ اس خوبی میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت صاحب قبلہ اپنے مریدوں کے ساتھ بیٹھتے، اس حوالے سے کبھی اپنی امتیازی اور جدا حیثیت کو ظاہر نہ کیا، یعنی یہ کبھی نہ دیکھا گیا کہ حضور کی مخصوص نشست ہو یعنی خود پلنگ یا تخت پر گاؤ تکیہ کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہوں اور مریدین اور دیگر احباب واخوانِ اہلِ سنت نیچے بیٹھے ہوں، ایسا کبھی نہ ہوا۔ اکثر دیکھا گیا کہ مریدین اور دیگر سنی احباب کے ساتھ ہی نباضِ قوم فرش پر تشریف رکھتے، کبھی بھی اپنے مریدوں کو مرید کہہ کر نہ بلاتے بلکہ حسب مرتبہ صوفی صاحب، مولانا صاحب اور حاجی صاحب وغیرہ وغیرہ۔ اچھے انداز کے ساتھ مخاطب فرماتے۔ اکابر ومعاصر علمائے اہلِ سنت بہت سے القاب وآداب نباضِ قوم کے لئے تجویز فرماتے (اور بفضلہٖ تعالیٰ! آپ ان القاب وآداب کے اہل بھی تھے) جیسے حکیم الامت، امیر شریعت وغیرہ وغیرہ۔ جب کوئی ان القاب وآداب کو آپ کے نام کے ساتھ لکھتا اور بولتا تو اُسے سختی سے منع فرماتے۔ خود یہ فقیر (راقم الحروف) حضرت صاحب قبلہ کے نام خطوط وغیرہ میں آپ کے یہ القاب وآداب لکھتا تو آپ سختی سے منع کرتے، بڑے ناراض ہوتے، فقیر کی خوب سرزنش اور گوشمالی فرماتے۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ انکساری اور عاجزی کی انتہا ہے، جس کی وجہ سے آپ کو قدرت کی طرف سے بلند اور اعلیٰ مقام عطا ہوا کہ اس مقام اور مرتبے کی بلندی اور عظمت کا اندازا لگانا اس فقیر کے لئے تو کیا بڑے بڑوں کے بس کی بات نہیں۔

فوٹو بازی و ویڈیو سازی کے خلاف جہاد: شریعت مطہرہ کی روشنی میں جاندار کی تصویر ناجائز اور حرام ہے۔ علماء وفقہاء نے اس کی حرمت کو دلائل وبراہین کے ساتھ روزِ روشن کی طرح واضح کر دیا ہے۔ حضور سیدی اعلیٰ حضرت کے دامن کرم سے وابستہ جلیل القدر علماء اور مشائخ نے اس حوالے سے کتب ورسائل تحریر فرمائے۔ (باقی ص ۵۴ پر)

آئینۂ منظر اسلام

وہ منظر اسلام جسے سرکار اعلیٰ حضرت نے ایک آل رسول کی فرمائش پر ۱۳۲۲/ ۱۹۰۴ء میں شہرستانِ عشق ومحبت بریلی شریف کی سرزمین پر قائم فرمایا۔

وہ منظر اسلام جس کی بے مثال تعمیر وترقی اور عظمت ورفعت حضور حجۃ الاسلام کی ارفع واعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا ایک خوبصورت استعارہ ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے گلشن علم وحکمت کی لازوال تروتازگی وشادابی میں سرکار مفتی اعظم ہند کا علمی وروحانی تصرف ہمہ وقت کارفرما ہے۔

وہ منظر اسلام جس کی رعنائیاں اور تابانیاں سرکار مفسر اعظم ہند کے بے مثال ایثار وقربانی اور خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

وہ منظر اسلام جس کی عالمی شہرت اور مرکزی حیثیت حضرت ریحان ملت کی قائدانہ صلاحیتوں کا ایک روشن ومنور نمونہ ہے۔

وہ منظر اسلام کہ شاہ راہ ترقی پر جس کی تیز گامی میرے والد محترم حضور صاحب سجادہ کی پرعزم، مستحکم اور مخلصانہ قیادت ونظامت کی درخشاں ودیدہ زیب تصویر ہے۔

وہ منظر اسلام جو ماضی قریب کے اکثر اکابر اہل سنت کا قبلہ علوم وحکمت ہے۔

وہ منظر اسلام جس نے قوم وملت کو "تحریک تحفظ ناموس رسالت" اور "تحریک تحفظ عظمت اولیا" کے بے شمار جانباز سپاہی عطا فرمائے۔

وہ منظر اسلام جو دینی وعصری علوم وفنون کے ساتھ اسلامی افکار ونظریات کی ترسیل وتبلیغ، عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت اور مسلک اعلیٰ حضرت کے عروج وارتقا کے لئے شب وروز سرگرم عمل ہے۔

وہ منظر اسلام جس کے فارغین کی ایک عظیم جماعت عالم سنیت کے خطہ خطہ میں مذہب ومسلک کی بے لوث خدمت کرنے میں مصروف کار ہے۔

وہ منظر اسلام جو اپنے تابناک ماضی کی ضیا بار کرنوں کی روشنی میں اپنے روشن ومنور مستقبل کے خطوط متعین کرکے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

ہاں! یہی منظر اسلام آج آپ کے جذبۂ ایثار وتعاون کو آواز دے رہا ہے۔ آئیے! اور اس کے عروج وارتقا کے لئے دل کھول کر حصہ لیجئے تاکہ اعلیٰ حضرت کے اس عظیم ادارے کا یہ علمی وروحانی قافلہ یوں ہی اپنے سفر کی منزلیں طے کرتا رہے۔

فقیر قادری محمد احسن رضا

سجادہ نشین درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف

United PRINTERS BAREILLY

Monthly "**Aala Hazrat**" Urdu Magazine
84, Saudagran Street, Bareilly 243003-(U.P.)
Ph.: 2555624, 2575683-(Office)
Fax : 2574627 (0091-581)

R.N.P. NO. 6802/60 N.I.C.
POSTEL REGD. NO. U.P BR-175/2021-23
PUBLISHING DATE : 14th] EVRY ADVANCE MONTH
POSTING DATE : 18th
PAGES: 64 PAGE WITH COVER WEIGHT : 80 GRM

₹ 35/-
Editor : Mohammad Subhan Raza Khan (Subhani Mian)
August 2023

دعوت خیر

طالبان علوم نبویہ کے قیام وطعام، منظر اسلام کے تمام شعبوں کے عروج وارتقا، دارالافتا کے عمدہ واحسن انتظام، لائبریریوں کی آرائش وزیبائش، ماہنامہ اعلیٰ حضرت کی مسلسل اشاعت، رضا مسجد کی زیب وزینت، خانقاہ رضویہ کی تب وتاب اور عرس رضوی کے وسیع انتظامات میں دل کھول کر حصہ لیں۔

Printed Published & Owned by Mohammad Subhan Raza Khan "Subhani Mian" Printed at Raza Barqi Press, Moh. Saudagran Bareilly & Published at Office of Monthly Aala Hazrat 84, Saudagran Street Bareilly (U.P.)